طَلَبُ الجَنَّةِ

(جنت کی طلب اور اس کے حصول کا طریقہ)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	طلب بلا اکتساب	۷
۲	دنیوی اور اخروی اسباب	۹
۳	مسئلہ تقدیر کے سمجھنے میں غلطی	۱۰
۴	اسباب دنیوی کی حقیقت	۱۱
۵	طلب اور اجر	۱۳
۶	اعمال آخرت پر نتیجہ ضرور مرتب ہوگا	۱۴
۷	مغلوب الحال معذور ہے	۱۵
۸	خودساختہ بزرگ	۱۶
۹	طالبانِ جنت کی پہلی قسم	۱۷
۱۰	طالبان جنت کی دوسری قسم	۱۸
۱۱	طالبان جنت کی تیسری قسم	۱۹

۱۲	طالب جنت کا درجہ	۱۹
۱۳	شناخت مبتدی و منتہی	۲۰
۱۴	سالک و مجذوب میں فرق	۲۲
۱۵	منتہی سالک کی طلب جنت	۲۳
۱۶	فرق مبتدی و منتہی	۲۴
۱۷	صاحب کمال کا حال	۲۶
۱۸	طریق حصولِ جنت	۲۷
۱۹	حصولِ جنت کا گُر اور اسکا فائدہ	۲۸
۲۰	افراط و تفریط	۲۹
۲۱	رہنمائی کے بغیر مطالعہ کتب کا نقصان	۳۱
۲۲	ضرورت استاد	۳۲
۲۳	خوف و رجاء	۳۳
۲۴	خدا کی نافرمانی کا سبب	۳۵
۲۵	احتسابِ نفس	۳۵
۲۶	اسراف اور فیشن	۳۷
۲۷	دوسروں کو نصیحت خود میاں فضیحت	۳۹

۲۸	خواہش نفسانی	۴۱
۲۹	اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے نقصانات	۴۴
۳۰	اطمینان قلب کی حقیقت	۴۴
۳۱	طاعت کے فائدے	۴۶
۳۲	عبادت اور ریاء	۴۷
۳۳	ابتداء اور انتہا	۴۹
۳۴	دینی طالب علموں سے مثل اولاد کے تعلق رکھو	۴۹
۳۵	متعدی مضرتیں	۵۱
۳۶	مصلحت وحکمت	۵۳
۳۷	ایثار وقربانی	۵۴
۳۸	حدود وقیود	۵۵
۳۹	قانون اور اطاعت	۵۷
۴۰	عوامی بت پرستی	۵۹
۴۱	عملی اور اعتقادی کوتاہی	۶۰
۴۲	صفائی معاملات	۶۰
۴۳	طریقۂ تعلیم	۶۱

۴۴	مخالفت برائے موافقت	۶۳
۴۵	علاج ہوائے نفس	۶۴
۴۶	محاسبۂ نفس مراقبہ	۶۸
۴۷	خلاصۂ وعظ	۷۰

وعظ

طَلَبُ الجَنَّۃ

(جنت کی طلب اور اس کے حصول کا طریقہ)

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے یہ وعظ ۲۸/ ربیع الثانی ۱۳۲۲ھ کو بمقام میرٹھ محلّہ کوٹلہ میں ڈھائی گھنٹہ ارشاد فرمایا۔

جنت کا ہر شخص طلبگار ہے اور کوئی بھی شئے حاصل کرنے کے لئے اس کے ذرائع اختیار کیے جاتے ہیں تاکہ وہ شئے حاصل ہوجائے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس وعظ میں جنت کے حصول کا طریقہ بتلایا ہے۔

خلیل احمد تھانوی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارک وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى﴾(۱)

یہ آیت سورۂ والنازعات کی ہے اس میں حق سبحانہ وتعالیٰ نے ایک ایسی چیز کے حاصل کرنے کا طریقہ بتایا ہے جس کا ہر شخص خواستگار (۲) ہے جس کو ذرا بھی اطلاع اس کی ہوجائے وہ مفتون (۳) ہوجائے۔

طلب بلا اکتساب (۴)

مگر پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ کسی چیز کی خواہش معتبر جب ہی ہوتی ہے کہ جب اس کے ذرائع میں بھی سعی (۵) کی جائے جو شخص کسی شئے کا طالب ہومگر اس کے اسباب حاصل نہ کرے اس کو اس شئے کا طالب نہیں کہہ سکتے (۶)۔

مثلاً کوئی مالدار ہونا چاہے۔ مگر جب اس سے کہیں ان علوم کو حاصل کرو جو اکتساب روپیہ کے لئے ضروری ہیں پھر کسی واقف کار کی صحبت میں رہ کہ ان علوم

(۱) ’’اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو خواہش سے روکا ہوگا سو جنت اس کا ٹھکانا ہوگا‘‘ سورۂ نازعات: ۴۱،۴۰ (۲) جسے ہر شخص چاہتا ہے (۳) جس کو اس کا کچھ حال بھی پتہ لگ جائے وہ اس کا دیوانہ ہوجائے (۴) بغیر محنت وکوشش کسی چیز کو حاصل کرنے کی خواہش (۵) کوشش (۶) اس چیز کا چاہنے والا نہیں کہتے۔

پرعمل یعنی اکتساب (۱) میں مہارت ہو پھر کوئی کام شروع کر اور آمدنی اور خرچ کا حساب رکھ کر کہ خرچ آمدنی سے کم رہے تاکہ کچھ پس انداز (۲) ہو اور تھوڑا تھوڑا جمع ہو کر ایک رقم ہو جائے اور تمول (۳) حاصل ہو، تو کہتا ہے واہ صاحب! علوم میں محنت نہیں ہوتی کسی کے نخرے کیوں اُٹھائے جانے لگے پھر پابندی کا بار خواہ مخواہ اپنے اوپر کیوں لوں اور خرچ کو محدود (۴) کر کے دل کو کیوں ماروں جتنا جی چاہے گا خرچ کروں گا۔ اس شخص کو تمول کا طالب نہیں کہتے اس کو بوالہوس (۵) کہتے ہیں۔

یا کوئی شخص جامع مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب حاصل کرنا چاہتا ہے مگر اُن راستوں کو نہیں اختیار کرتا جن سے جامع مسجد میں پہنچے اور قدم نہیں بڑھاتا تو یہ شخص جامع مسجد میں کیسے پہنچے گا۔ اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ یہ ثواب کا طالب ہے؟

یا کوئی شخص چاہتا ہے کہ غلّہ اس کے پاس آجائے، اور جب کہتے ہیں کھیتی کر زمین میں بیج ڈال پانی دے کھیت کی نگہداشت (۶) کر، تو کہتا ہے کون کھیتی کرے اور سینچائی (۷) کس سے ہو سکتی ہے کون گھر چھوڑ کر حفاظت کے لئے جنگل میں جا پڑے۔ مجھے تو بس غلّہ چاہئیے یہ شخص احمق ہے اور غلّہ کا طالب نہیں ہے۔

اور جیسے کوئی اولاد چاہے اور جب کہا جائے نکاح کر اولاد ہو جائے گی، تو کہتا ہے کون بکھیڑے میں پڑے۔ نکاح میں ایک رقم صرف کروں (۸) پھر نان ونفقہ کا مطالبہ ہو۔ مکان چاہئیے مہر کی فِکر ہو اور طرح طرح کی مصیبتیں کون مول لے (۹) نکاح تو کرنے کا نہیں بس میں تو لڑکا چاہتا ہوں یہ احمق ہی ہے۔ اللہ میاں! نے اس فعلِ خاص کو (۱۰) ولد کے لئے سبب قرار دیا ہے اس کو اختیار کرو اولاد بھی مِل جائے گی۔

(۱) روپیہ کمانے میں مہارت ہو۔ (۲) تاکہ کچھ بچے (۳) امیر ہو جاؤ (۴) خرچ کم کر کے اپنی خواہشات دل کو کیوں کم کروں (۵) انسانی خواہشات کا بہت سخت حریص ہے (۶) کھیت کی دیکھ بھال کر (۷) کھیت کو کھڑے ہو کر پانی کون دے سکتا ہے (۸) خرچ کروں (۹) طرح طرح کی مصیبتیں کون اپنے گلے میں ڈالے گا (۱۰) یعنی نکاح کو۔

اور جیسے کہ کوئی چاہے کہ پیٹ بھر جائے اور جب کہیں کہ کھانا کھاؤ لقمہ کو چباؤ اور نگلو پیٹ بھر جائے گا تو کہتا ہے کہ صاحب میں یہ تو کرنے کا نہیں۔ ظاہر ہے کہ محض احمق ہے۔

دنیوی اور اخروی اسباب

توضیح (۱) کے لئے یہ کئی مثالیں دی گئیں تا کہ یہ مقدمہ (۲) ذہن نشین ہو جائے میں آگے ان شاء اللہ ان سے کام لوں گا۔ غرض طالب اگر ذرائع کو اختیار کرے تو طالب ہے ورنہ بوالہوس ہے۔ ایسا آدمی ضرب المثل ہو جاتا ہے۔ دیکھنے اور سننے والے کہا کرتے ہیں کہ آدمی تو معقول ہیں مگر خبط (۳) ہو گیا ہے دیکھئے پڑھ لکھ کر دماغ خراب ہوا ہے نکاح تو کرتے نہیں اور اولاد کی دُھن ہے کیسا افسوس ہے۔ وجہ یہی ہے کہ مسلّم ہے کہ اگر سعی نہ کرے ذرائع میں تو پاگل ہے (۴)۔ پس اب تعجب یہ ہے کہ یہ قاعدہ دنیاوی امور میں تو ہر کس و ناکس (۵) عالم جاہل بڑے اور چھوٹے سب کے نزدیک تسلیم کیا ہوا ہے اور جب دین کو معاملہ آپڑتا ہے تو بڑے بڑے عقلاء احمق بن جاتے ہیں وہاں مقصود کی زبانی طلب کو ہی طلب کہنے لگتے ہیں اور اطمینان رہتا ہے کہ بڑے طالب ہیں اور اس طلب پر نتیجہ ضرور مرتب ہوگا۔ اگر ایسا ہے تو زبان سے اولاد اولاد کہنے والے کو بھی طالبِ ولد (۶) کہنا چاہیئے اور اُمید رکھنی چاہیئے کہ اس کے اولاد ہوگی (معلوم نہیں کس طرح ہوگی شاید مرد کے بچہ پیدا ہوگا) معلوم نہیں کیا بات ہے فرق کی کوئی وجہ نہیں، دنیا میں تو اسباب کو دخل ہو اور آخرت میں نہ ہو۔ بلکہ معاملہ برعکس معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی

---

(۱) وضاحت کے لئے (۲) تا کہ یہ بات ذہن میں بیٹھ جائے (۳) دماغ میں خلل ہو گیا ہے (۴) یہ بات طے شدہ ہے کہ اگر بغیر ذرائع اختیار کرے کسی چیز کے حصول کی خواہش کرے گا تو پاگل ہے (۵) ہر شخص (۶) اولاد کا طلب کرنے والا۔

اسباب کو اتنا دخل اپنے مقاصد میں نہیں ہے جتنا کہ آخرت کے اسباب کو مقاصدِ آخرت میں ہے۔ یہ بات ظاہراً(۱) مشکل معلوم ہوئی ہوگی کیونکہ ذہن نشین یہی ہو رہا ہے کہ دنیوی کام تو اختیاری ہیں اور اخروی نہیں جو لوگ ذرا عقلمند ہیں وہ اتنا اور کہہ لیتے ہیں کہ ہوتا تو سب کچھ تقدیر ہی سے ہے مگر اسباب حق تعالیٰ نے مقرر فرما دیئے ہیں۔

مسئلہ تقدیر کے سمجھنے میں غلطی

مسئلہ تقدیر کو سمجھا مگر غلط سمجھا' چاہے فاسق ہوں یا فاجر ہوں اگر تقدیر میں جنت ہے تو جائیں گے ہی۔ دنیاوی امور میں بھی یوں ہی کیوں نہ کہا کہ اسباب کو حاصل کریں یا نہ کریں اگر تقدیر میں سبب لکھا ہے تو ملے گا ہی نہ کوئی پیشہ کریں نہ کھیتی کریں نہ کھائیں اگر قسمت میں تمول (۲) اور غلّہ اور پیٹ بھرنا لکھا ہے تو ہو ہی جائے گا۔ بلکہ جیسا یہ خیال ہے کہ فسق و فجور کے ساتھ بھی جنت مل سکتی ہے باوجودیکہ یہ اعمال اس کے لئے مضر ہیں اس کے ساتھ یہ خیال بھی تو ہونا چاہیئے تھا کہ دنیا کے مسببات وصورت ذرائع اختیار نہ کریں گے تو کیا ان کے منافی اسباب (۳) کو اختیار کرنے کی صورت میں بھی اگر تقدیر میں ہیں تو مل کر رہیں گے تو جس کو غلّہ کی طلب ہو اگر اس کے یہاں کھیت کھڑا ہو تو کھڑے ہوئے کھیت میں آگ لگا دینی چاہئیے اور خوش ہونا چاہیئے کہ اب غلّہ ملے گا جیسا کہ اب فسق و فجور کر کے اطمینان سے بیٹھے ہیں جنت ملے ہی گی غلطی یہی ہے کہ دنیا کو اختیاری سمجھا اور آخرت کو نہیں یا دونوں کو اختیاری سمجھا ہوتا یا دونوں میں تقدیر پر بیٹھے رہے ہوتے ذرا غور سے سمجھ میں آجائے گا کہ واقعی بات کیا ہے عقائد کا مسئلہ ہے کہ ہر سبب پر جو اثر مترتب ہوتا ہے وہ باذنہ تعالیٰ ہے۔(۴) جلانا آگ کا لگانا اثر دائمی اور متفق علیہ

---

(۱) ظاہری طور پر (۲) مالدار ہونا (۳) اس کے خلاف اسباب (۴) سبب اختیار کرنے پر جو نتیجہ مرتب ہوتا ہے اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔

ہے مگر جب تک اذن نہ ہو احراق مترتب نہیں ہوسکتا۔(۱) سب جانتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لوگوں نے نہایت تیز آگ میں ڈالا مگر باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے کہہ دیا ٹھنڈی ہوجا کچھ بھی صدمہ نہ پہنچا اور احتراق مترتب نہ ہوا(۲) اگر یہ اثر آگ کے لئے ذاتی ہوتا یا جزو ماہیت یا لازم ماہیت ہوتا تو کیوں منفک ہوتا(۳) کہا آگ آگ نہ رہی۔

اور یہ قصہ اعمالِ صالحہ میں بھی ہے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کوئی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں نہ جائے گا مطلب یہ ہے کہ عمل میں تاثیر بالذات نہیں کہ کسی کو جنت میں لے جائے مشیتِ ایزدی شرط ہے (جس کا مطلب یہ سمجھ رکھا ہے کہ عمل دخول جنت میں کچھ بھی دخل نہیں رکھتا) عمل کو وہی دخل ہے دخول جنت میں جو آگ کو ہے احراق میں آگ کے احراق کے لئے بھی مشیت شرط ہے اور دخولِ جنت کے لئے بھی(۴)۔

اسبابِ دنیوی کی حقیقت

بہرحال ایک آیت اور ایک حدیث سے ثابت ہوگیا کہ کسی چیز میں تاثیر بالذات نہیں ہے اگرچہ اثر کیسا ہی یقینی اور دائمی ہو مگر ذات میں کسی چیز کے داخل نہیں کہ اثر کرے سب مشیت باری تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ حق تعالیٰ کے مرتب کرنے سے سبب مرتب ہوتا ہے تو اب اس کی تحقیق باقی ہے کہ آیا اسبابِ دنیویہ پر مرتب کرنے کا حق تعالیٰ نے یقینی وعدہ کیا یا اسبابِ اخرویہ

---

(۱) جب تک اللہ کا حکم نہ ہو آگ جلا نہیں سکتی (۲) آگ نے جلایا نہیں (۳) اگر جلانا آگ کا ذاتی وصف ہوتا تو پھر وہ اس سے جدا نہ ہوتا اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلا دیتی (۴) عمل کو جنت کے داخلہ میں ایسا ہی دخل ہے جیسے آگ کو جلانے میں ہے لیکن دونوں کے لئے اللہ کی چاہت ضروری ہے۔

پر اس کے مرتب کرنے کا یقینی وعدہ کیا ہے تو نصوص و واقعات دونوں سے دیکھئے کہ دنیوی اور دینی دونوں اسباب میں سے کس پر تمہارا اثر یقینی ہے کس پر وعدہ ہے باری تعالیٰ کا اور تجربہ سے بھی کونسا یقینی ہے سو کہیں نہیں فرمایا گیا نصوص (۱) میں کہ اسباب دنیوی پر اثر ضرور مرتب ہوگا اور تجربہ واقعات سے بھی یہی نکلتا ہے بسا اوقات کھیتی کرتے ہیں اور ایک دانہ بھی حاصل نہیں ہوتا یہی حال جاہ وثروت (۲) کا ہے بہت سی تدبیریں کی جاتی ہیں مگر عمر گزر جاتی ہے اور غربت ہی رہتی ہے اور کبھی بے تدبیر مالدار ہو جاتا ہے اگر آپ غور کریں گے تو کبھی نہ کہیں گے کہ جاہ وثروت تدبیر پر ہے میں نے خود ایسے واقعے دیکھے ہیں کہ جن کی اوقات کسی وقت دو آنہ کی تھی آج وہ لکھ پتی ہوگئے دنیوی اسباب پر نتیجہ کا مرتب ہونا ضروری نہیں اگر آپ کہیں کہ انہوں نے تدبیر سے اس قدر مال حاصل کرلیا ہے تو میں کہتا ہوں آپ ان کے پاس جایئے اور اول سے آخر تک انکی سوانح عمری لکھیئے اور ان کی کل تدبیریں بھی لکھیئے کہ پہلے ان کے پاس دو آنہ تھے اس کا اُنہوں نے فلاں سودا خریدا اور صبح سے شام تک پھیری کر کے بیچا اُس میں ایک آنہ نفع ہوا ایک آنہ میں سے نصف کھایا اور نصف اصل میں شامل کر دیا اگلے دن ڈھائی آنہ کا سودا لے کر پھیری کی ساڑھے تین، چار آنہ ہوگئے اسی طرح راس المال (۳) بڑھتا گیا یہاں تک کہ جب تعداد آنوں سے نکل کر روپوں میں آگئی تو پھر اس کی آمدنی کو بقدر ضرورت خرچ کیا اور داخلِ خزانہ کرتے گئے یہاں تک کہ خزانہ بڑھتے بڑھتے لاکھ تک پہنچ گیا لکھ پتی ہوگئے اس کو مفصل لکھیئے بلکہ تمام تغیّرات کو تاریخ وار قلمبند کیجئے۔ اب اگر یہ تدبیر سبب ہے اُن کے جاہ وثروت کی تو آپ بھی ایسا ہی کیجئے جیسا انہوں نے کیا کہ دو آنہ کا سودا لیجئے اور پھیری کیجئے اور

(۱) قرآن وحدیث میں کہیں نہیں آیا کہ (۲) مال ودولت کے حصول اور اقتدار کا ہے (۳) اصل مال بڑھتا گیا۔

نفع کوشامل راس المال (۱) کرتے جایئے بعد چندے کچھ پس انداز کیجئے اور جائیداد خرید لیجئے پھر خزانہ بڑھایئے یہاں تک کہ لکھ پتی بن جایئے۔ میں کہتا ہوں کبھی بھی ان تدبیروں سے آپ ان کے برابر نہیں ہوسکتے کیا وجہ ہے کہ تدبیر سے اُس نے حاصل کیا اور تم نہیں کرسکتے وجہ یہی ہے کہ سب کچھ باری تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے پس ثابت ہوگیا کہ اسباب دنیا پر ہمیشہ اللہ میاں اثر مترتب نہیں فرماتے میرے دعوے کا ایک جز وثابت ہوگیا کہ اسباب دنیوی پر نتیجہ کا مترتب ہونا ضروری اور دائمی نہیں رہا۔

طلب اور اجر

دوسرے جزو یعنی آخرت سود یکھئے فرماتے ہیں ﴿ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴾ (۲) یعنی جو کوئی آخرت کا طالب ہو اور کوشش کرے تو اس کی سعی ضائع نہ جائے گی بلکہ فرماتے ہیں کہ اس کا نتیجہ بقدر عمل ہی نہیں زیادہ دیا جائے گا۔ دیکھ لیجئے وعدہ کے یقینی ہونے سے نتیجہ مترتب ہونے کا کہیں وعدہ نہیں اور اسبابِ اخروی کے لئے وعدہ ہے۔ پھر تعجب ہے کہ دنیا میں جس چیز کا ارادہ کرتے ہیں وہ اکثر جتنا چاہتے ہیں نہیں ملتی مگر پھر اکتساب ذرائع سے کوئی غفلت نہیں کرتا (۳) اور غفلت کرنے والا احمق سمجھا جاتا ہے اور آخرت میں اس قدر ملتا ہے کہ جس کا ارادہ بھی نہیں کیا جاتا اور پھر اکتساب ذرائع سے غفلت (۴) ہو اور غفلت کرنے والے کو کوئی احمق نہ کہے۔

---

(۱) نفع کو اصل مال میں جمع کرتے جایئے (۲) ''اور جو شخص آخرت کی نیت رکھے گا اور اس کے لئے جیسی سعی کرنی چاہیے ویسی سعی بھی کریگا بشرطیکہ وہ شخص مومن بھی ہو سو ایسے لوگوں کی یہ سعی مقبول ہوگی'' سورۂ بنی اسرائیل: ۱۹ (۳) ذرائع اختیار کرنے میں کوتاہی نہیں کرتا (۴) ذرائع اختیار کرنے میں کوتاہی ہو۔

اعمالِ آخرت پر نتیجہ ضرور مرتب ہوگا

چنانچہ فرماتے ہیں: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ﴾(۱) اور حدیث قُدسی میں فرماتے ((اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رات ولااذن سمعت ولا خطر قلب بشر)) ''میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیز تیار کی ہے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی کان نے سنی نہ کسی کے دل میں اس کا خیال تک گزرا'' حالانکہ خیال بڑی وسیع چیز ہے مگر بروئے حدیث وہ چیزیں اسباب آخرت پر متفرع ہوتی ہیں جو خیال میں بھی نہ آسکیں اب سوچئے کہاں تک سوچیں گے۔ جمال، باغ، نہریں، خادم، ماکولات ومشروبات (۲) وغیرہ جہاں تک بھی آپ کا خیال پہنچے پھر ایک مرتبہ ایسا نکالئے کہ خیال سے بھی باہر ہو اور عقل اس کے ادراک سے قاصر ہو مگر وہاں ملے گا ان شاء اللہ تعالیٰ اگر فضل ہوا، آخرت میں ترتبِ اثر تو کیا اُس اثر کا وعدہ ہے کہ سبب سے اور اُس سے کچھ نسبت بھی نہیں جمال اور باغ وغیرہ میں بھی ایسے مراتب نکل سکتے ہیں کہ خیال سے باہر ہوں اور بعض نتیجے وہاں کے وہ ہیں کہ اُن کا صرف لفظ ہی سنا ہے ماہیت تو عقل میں بھی نہیں آتی۔ وہ رؤیت الٰہی ہے۔ (۳)

غرض ترتب اثر یقینی ہوا کیونکہ وعدہ فرمایا ہے باری تعالیٰ نے کہ اثر ہم ضرور متفرع کریں گے تم ذرائع کو حاصل کرو۔ اور لوگوں کے خیال میں یہ جما ہوا ہے کہ آخرت بے اختیاری ہے۔ اسی نے لوگوں کو بٹھادیا کچھ نہیں کرتے اور دنیا کے معاملات میں یہ حال ہے کہ جب چاہتے ہیں کہ دنیا حاصل کرنی ہے اسباب کو جمع

(۱) ''سو کسی شخص کو خبر نہیں جو جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کے لئے خزانہ غیب میں موجود ہے'' سورۃ السجدہ: ۱۷ (۲) کھانے پینے کی چیزیں (۳) اللہ تعالیٰ کا دیدار۔

کرتے ہیں حالانکہ بار ہا اسباب کے تخلف (۱) کو بھی مقاصد سے دیکھ چکے ہیں۔ تعجب ہے کہ جن اسباب کو دخل نہیں جمع کئے جائیں اور جن کو دخل ہے ان کو نہ اختیار کیا جائے' کیسے کہا جائے کہ ایسا شخص جنت کا طالب ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''تعجب ہے جنت سے کہ اس کا طالب کیسے سوتا ہے''۔ اس سے اور ماسبق سے ثابت ہوگیا کہ جو اسباب کو حاصل نہ کرے' اس کے دماغ میں خلل (۲) ہے۔ طلب صرف معتبر نہیں بلکہ طلب صادق ضروری ہے اور اس کے لئے کسب ذرائع لازم ہے (۳) جیسا کہ بسط (۴) کے ساتھ اب تک بیان کیا گیا۔ سو اس آیت میں اللہ میاں نے جنت کے طلب کا ذریعہ بتایا ہے جس کے سب لوگ مشتاق ہیں۔

مغلوب الحال معذور ہے

یہاں ایک بات اور قابلِ تحقیق ہے وہ یہ کہ اس آیت سے جنت کا مطلوب ہونا معلوم ہوتا ہے اولیاء اللہ میں بعض ایسے گزرے ہیں جن کے کلام میں یہ مضمون پایا جاتا ہے کہ نہ ہم کو جنت کی طلب ہے نہ دوزخ کا خوف ہے' تو یا تو جنت مطلوب نہیں یا وہ لوگ مخالف قرآن کے ہیں جیسے ایک صاحب حال کی نقل ہے (یہ قصہ حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کا ہے) کہ ایک روز غلبۂ جذب میں ایک ہاتھ میں آگ اور ایک ہاتھ میں پانی لے کر نکلیں۔ لوگوں نے عرض کیا حضرت یہ کیا؟ کہا تمام عالم کو جنت اور دوزخ ہی کے خیال نے تباہ کردیا میرے مالک کا نام کوئی نہیں لیتا' آج میں فیصلہ کئے دیتی ہوں پانی سے دوزخ کو ٹھنڈا کروں گی اور آگ بہشت میں لگاؤں گی۔ سو بات یہ ہے کہ یہ اقوال و حکایات اہلِ حال

(۱) کئی بار اسباب اختیار کرنے کے باوجود نتیجہ اس کے خلاف نکلتا ہے (۲) دماغ خراب ہے (۳) ذرائع کو اختیار کرنا ضروری ہے (۴) تفصیل سے۔

کے ہیں اور غلبۂ حال سے ان کو معذور سمجھا جاوے گا ہم جیسوں[1] کو تو ان لوگوں کے اقوال کو نقل کرتے بھی ڈر معلوم ہوتا ہے۔ ایسی بات جذب میں کوئی کہہ جائے تو اور بات ہے۔

خودساختہ بزرگ

باقی قصداً کہنا یا اس کو کمال سمجھنا بڑی غلطی ہے، خوب یاد رکھیئے کہ جذب[2] کوئی کمال نہیں اور یہ وہ اختیاری چیز ہے جو لوگ اختیار سے ایسے لفظ کہتے ہیں حاشا و کلا جو اعلیٰ وہ ادنی[3] کسی درجہ میں بھی وہ شمار ہوں۔ غلبہ کے تو معنی ہی بے اختیاری کے ہیں پھر بے اختیاری کا اختیار سے ہونا کیا معنی آجکل لوگوں نے اسی کو کمال سمجھ رکھا ہے جو کوئی واہی تباہی کلمات بیبا کانہ بکتا ہو اس کو بڑا پہنچا ہوا سمجھتے ہیں کہ فلاں بزرگ مست ہیں۔ سو خوب سمجھ لیجئے کہ جن بزرگوں سے ایسے کلمات منقول ہیں ان کے لئے بھی یہ حالت کچھ کمال کی نہ تھی ہاں غلبۂ حال کی وجہ سے معذور تھے کوئی الزام ان پر عائد نہیں ہوتا اور رہے نقال سو وہ تو کسی طرح معذور ہی نہیں ہوسکتے ان کے اقوال کے دعویٰ کے ساتھ نقل سخت بیہودگی ہے غرض ان لوگوں کی یہ ایک حالت معذوری کی تھی ورنہ جس چیز کا مطلوب ہونا قرآن سے ثابت ہو اور جس چیز کو رسول اللہ ﷺ طلب فرمادیں ((اللھم انی اسأ لك الجنة و ماقرب الیھا من فعل اوعمل))[4] اس کی نسبت دوسرے کا کیا منصب ہے کہ ایسا کہے آیات واحادیث میں صاف طور پر طلب جنت کی فضیلت آئی ہے اہلِ حال معذور تھے حال کی وجہ سے اور اب تو لوگوں میں حال ہی نہیں رہا نقل ہی نقل رہ گئی۔

(۱) ہم جیسوں کو (۲) مجذوب ہونا کوئی کمال نہیں (۳) ہرگز ہرگز وہ کمال کے کسی درجہ میں شمار نہیں ہوسکتے نہ اعلیٰ کے نہ ادنیٰ کے (۴) ''اے اللہ میں آپ سے جنت کو طلب کرتا ہوں اور اس فعل وعمل کو جو مجھے اس سے قریب کردے''۔

اس کو فرماتے ہیں مولانا ؎

حرف درویشاں بد زدو مردوزن　　تا بہ پیش جاہلان خواہد فزوں (۱)

جن میں کچھ ہے نہیں وہ ان کے دعووں کی نقل کر کر کے جاہلوں میں بزرگ رہتے ہیں۔ مجھ کو ایک شخص اسی سفر میں ملے کہ وہ کچھ مالی اعانت چاہتے تھے اِدھر اُدھر کی باتوں میں اپنی محویت بھی ظاہر کی لمبی لمبی باتیں کرنے لگے کیا پرواہ ہے جنت کی اور کیا خیال ہے دوزخ کا؟ میں نے کہا میاں بیٹھے بھی رہو چار روپیہ کے لئے تو گھر چھوڑے پھرتے ہو جنت کی طرف التفات بھی نہ کروگے۔

ان نقالوں میں رنگ البتہ اصلی سے بھی زیادہ ہوتا ہے سو ہر چیز میں تجربہ کر لیجئے کہ اصلی میں نقلی کی سی آب و تاب نہیں ہوتی۔ رنگ و روغن کو دیکھ کر شیفتہ (۲) ہو جانا اس امر کی دلیل ہے کہ اس شخص نے اصل چیز نہیں دیکھی اور محض ناواقف ہے۔ غرض اہلِ حال تو بحث سے مستثنیٰ ہی ہیں اور جنت کا مطلوب ہونا بحالہ باقی رہا۔

طالبانِ جنت کی پہلی قسم

البتہ یہ ضرور ہے کہ مشہور تقسیم میں اس کے مطلوب (۳) ہونے کی دو صورتیں ہیں اور میرے نزدیک ایک تیسری صورت اور بھی ہے۔

ایک تو یہ کہ اُس کی نعمتوں کو مقصود سمجھ کر کھانے پینے کو باغوں کو مکانات کو نہروں وغیرہ کو غرض اصلی جان کر طلب کیا جائے۔ مذاق مختلف ہوا کرتے ہیں کسی کو مکانات کا شوق ہے کسی کو دلکش فضاؤں کا کسی کو بچوں کا کسی کو حسن و جمال کا کسی کو ماکولات و مشروبات کا (۴) اور جنت میں سب کچھ ہے تو جو چیز جس کو مرغوب ہو

(۱) درویشوں کے حالات کو جاہلوں کے سامنے بیان کرتے ہیں تاکہ مردوں اور عورتوں میں اپنا مقام بلند ہوجائے (۲) چمک دمک دیکھ کر اس پر عاشق ہوجاتا ہے (۳) جنت کے مطلوب ہونے کی (۴) کھانے پینے کی چیزوں کا۔

ملے گی۔ حدیث شریف میں ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ ایک شخص تمنا کرے گا کہ میں تو کھیتی کرتا' اللہ میاں فرمائیں گے ابن آدم کا پیٹ ہی نہیں بھرتا اور دم کے دم میں سب چیز موجود ہوجائے گی بات کہتے ہیں ہرا بھرا کھیت پھر انبار کے انبار غلّہ تیار ہے تو کتنی کھیتی چاہئے۔ یہ ایسا ہے جیسا کہ بچہ طرح طرح کی ضدیں کیا کرتا ہے اور سب پوری کی جاتی ہیں والدین جانتے ہیں کہ باؤلی ضدیں ہیں (۱) مگر جو مانگتا ہے دیتے ہیں۔ تو بعض لوگ جنت کو اس لئے طلب کرتے ہیں۔

طالبانِ جنت کی دوسری قسم

دوسری قسم وہ لوگ ہیں جو جنت کو اللہ میاں کے لقاء (۲) کے لئے طلب کرتے ہیں یہ لوگ طالب درحقیقت اللہ میاں کے ہیں مگر انکو معلوم ہوا ہے کہ رویت اور رضا (۳) خاص جنت میں ہوگی۔ اس لئے چاہتے ہیں کہ جنت میں پہنچ جائیں تاکہ مقصود اصلی حاصل ہو۔ غرض نعمت کے طالب نہیں بلکہ منعم کے ہیں مثال اس کی یہ ہے کہ ایک محبوب نے باغ میں لوگوں کو بلایا جس میں ہر قسم کا عیش ونشاط موجود ہے جو میوے کہیں نہیں ہیں وہ وہاں موجود وہ مکانات جن کا نقشہ تک کسی کے خیال میں نہ گزرا ہو وہاں تیار نہریں حوض دلکش فضائیں خادم غلام غرض جملہ چیزیں بعض جانے والے ایسے ہونگے جو غسل کرنے اور حوضوں میں غوطہ لگانے کی غرض سے جائیں گے اور بعض تازہ بتازہ ہواؤں کا لطف اُٹھانے کے لئے اور بعض میووں سے لذت حاصل کرنے کے لئے وعلیٰ ہذا اور ایک جانے والے وہ ہیں کہ

---

(۱) بے وقوفانہ ضد ہے (۲) اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے شوق میں کہ اللہ کی ملاقات جنت میں ہوگی اس لئے ان کو جنت مطلوب ہے (۳) اللہ کا دیدار اور خوشنودی۔

اس محبوب پر عاشق ہیں اور باغ میں اس واسطے جاتے ہیں کہ ان کو معلوم ہوا ہے کہ ہمارا محبوب باغ میں ہے یہ سن لیا ہے اور باغ کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں یہ لوگ دراصل باغ کو نہیں ڈھونڈتے پھرتے باغ والے کے شیدائی (۱) ہیں اس وقت چونکہ محبوب باغ میں ہے اس واسطے باغ کی طرف جاتے ہیں اور وہ اگر جنگل میں آجائے تو باغ کا خیال بھی اُن کے ذہن میں کبھی نہ گزرے۔

باغ کی طرف جانے والے یہ دو قسم کے لوگ ہوئے ایک وہ کہ نفس باغ کے طالب ہیں دوسرے وہ کہ نہ انہیں باغ کا خیال ہے نہ جنگل کا محبوب کی طرف نگاہ ہے۔ مشہور قسمیں طالبان جنت کی تو یہی دو ہیں۔

طالبانِ جنت کی تیسری قسم

اور میرے نزدیک تیسری قسم اور ہے لیکن ذرا دقیق ہے (۲) وہ یہ کہ طالب تو نعمت کے ہیں لیکن نہ حظ کی وجہ سے بلکہ اپنے تذلل اور عبدیت کی وجہ سے (۳) اپنے کو اس قابل نہیں سمجھتے کہ بلاواسطہ طالب منعم (۴) کے ہوں وہ اسی کو غنیمت سمجھتے ہیں کہ اس کے کوچہ کا ایک گوشہ مل جاوے یہ تیسری قسم ہوئی پس طالبِ نعمت کا مبتدی ہے اور طالب منعم کا متوسط ہے اور طالب نعمت للعبدیۃ کا کہ واقع میں طالب کامل منعم کا ہے منتہی ہے اور صاحب حال بحث سے خارج ہے۔

طالبِ جنت کا درجہ

خلاصہ یہ کہ لوگوں کا خیال مطلقاً یہ ہے کہ طلب جنت سے عدم طلب کا

---

(۱) باغ والے کے دل دادہ ہیں (۲) غور کرنے سے سمجھ میں آئے گی (۳) لذتوں کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے غلام ہونے اور پستی کی وجہ سے (۴) اپنے محسن کے طالب ہوں۔

درجہ بڑھ کر ہے حالانکہ غور کرنے سے اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے کہیں آیات و نصوص میں اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ عدم طلب کوئی شئے حَسن ہے بہت سے بہت یہ کہہ سکتے ہیں کہ عدم طلب والا معذور ہے سو معذوری میں فضیلت کہاں؟

شناخت مبتدی و منتہی

حاصل یہ کہ طالب جنت کی تین قسمیں ہوگئیں کہ یا مبتدی ہے یا متوسط یا منتہی سو متوسط کا حال تو اکثر ممتاز (۱) ہوتا ہے لیکن مبتدی اور منتہی کا حال بہت متشابہ (۲) ہوتا ہے مگر واقع میں زمین و آسمان کا فرق ہے مبتدی ایک کام میں لگا ہوا ہے گو حقیقت نہیں پہچانتا مگر آہستہ آہستہ بڑھتا جاتا ہے کبھی حقیقت شناس بھی ہوجائے گا۔ ذرا سی بات میں وجد میں آجانا دھاڑیں مارنا مغلوبوں کا کام ہے جو صاحبِ کمال ہے اس کو حال نہ آنسو ٹپکا سکتا ہے نہ حال اس کے بدن میں حرکت پیدا کرسکتا ہے نہ حال اس کی زبان سے بے ساختہ کلمات نکلوا سکتا ہے شاہ عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''منصور بچہ بود کہ از یک قطرہ بفریاد آمد اینجا مرد آنند کہ دریا فرو برند و آروغ نزنند'' (۳)

منتہی کی حالت بالکل مبتدی کی سی ہوتی ہے مگر چونکہ منتہی راستہ طے کئے ہوئے ہوتا ہے اسواسطے ہر مقام پر اس کے افعال سے واقفیت ٹپکا کرتی ہے اور مبتدی مقلدانہ چلتا ہے۔ اسی طرح جنت کے مانگنے والوں میں جو مبتدی یا منتہی ہیں ان میں فرق یہ ہے کہ مبتدی غالب ہے مزہ کے لئے اور منتہی مزہ سے گزرا ہوا ہے پھر جنت کی طلب جو کرتا ہے سو وہ محبوب کے حکم سے ہے گویا منتہی

(۱) نمایاں (۲) ایک دوسرے سے ملتا جلتا (۳) ''منصور تصوف کے ابتدائی درجہ میں تھا کہ ایک ہی تجلی سے بے قرار ہوکر منہ سے کلمہ ''انا الحق'' نکال بیٹھا یہاں تو ایسے مرد قلندر موجود ہیں جو کہ دریا کے دریا پی گئے اور ڈکار نہ لی'' یعنی اللہ کی متعدد تجلیات کے واقف ہوگئے اور منہ سے کوئی کلمہ نہ نکلا۔

عبدیت ظاہر کرتا ہے کہ جو حکم ہو اس کی تعمیل کے لئے تیار ہوں اور مبتدی کی فنا میں ابھی کمی ہے اس کا التفات مزہ کی طرف ہنوز باقی ہے فرض کیجئے کہ ایسی چیز کی طلب کا حکم ہوتا کہ مزہ اس میں نہ ہوتا تو ممکن ہے کہ اس صورت میں مبتدی کے پیر اُکھڑ جاتے اور منتہی جما ہوا ہے اس کی لغزشوں کی کوئی وجہ نہیں وہ مزہ کا طالب ہی نہیں جس کے رہنے نہ رہنے پر اس کی طلب کا دارو مدار ہو چونکہ طلب کا حکم پایا ہے اس واسطے تعمیل کر رہا ہے ﴿ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴾ (۱) امر کا صیغہ ہے یہ شخص زبان حال سے کہہ رہا ہے ؎

چوں طمع خواہد زمن سلطان دیں خاک بر فرقِ قناعت بعد ازیں (۲)

جب اُدھر سے ہی طلب کا حکم ہے تو طلب نہ کرنا عدول حکمی (۳) ہے۔ مطیع (۴) اطاعت میں ایسا محو ہوتا ہے جیسے کسی کو شراب پلا دیں (شراب دو ہیں حلال اور حرام شرابِ محبت حلال ہے) شراب پی کر آدمی سب طرف سے بے خبر ہو جاتا ہے اسی طرح جو بندہ ہے وہ امتثال امر میں مخمور ہوتا ہے (۵) یہ بھی یاد رکھیئے کہ یہ محویت بے خودی نہیں ہے بعض ناواقف اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اگر نماز میں محویت ہو جائے تو رکوع و سجود کیسے ہوں۔ محویت کے معنی یکسوئی کے ہیں صرف باری تعالیٰ کی طرف خیال ہوتا ہے اس صورت میں عبادت بطریق احسن ہوگی رکوع و سجود نہ ہونا کیا معنی۔

---

(۱) ''اور حرص کرنے والوں کو ایسی چیز کی حرص کرنی چاہیے'' سورۂ مطففین: ۲۶ (۲) جب اللہ پاک ہی مجھ سے یہ چاہتے ہوں کہ میں حرص و طمع کا اظہار کروں تو ایسے وقت میں قناعت کرنے کو پسند نہیں کرتا اور اس پر خاک ڈالتا ہوں (۳) حکم نہ ماننا ہے (۴) فرمانبردار (۵) فرمانبرداری کے نشہ میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔

سالک ومجذوب میں فرق

عام لوگ محویت اس کو سمجھتے ہیں کہ کچھ واہی تباہی کلمات زبان سے نکال دیں یا آئندہ کی باتوں پر دعوے کے ساتھ حکم لگادیا کریں اس کو بڑا کمال سمجھتے ہیں اور کہا کرتے ہیں اللہ میاں پر ایسا ناز ہے کہ جو منہ سے نکل گیا پورا ہوکر رہتا ہے یہ مسلّم سہی کہ دعا قبول ہوتی ہے(۱) مگر ہر چیز کو مانگ بیٹھنا اور دعوے سے حکم لگادینا انہیں سے ہوسکتا ہے جو بیخود ہیں یہ محویت محمود (۲) نہیں۔ محویت محمود میں حق سبحانہ تعالیٰ سے نہایت قرب ہوتا ہے اور جتنا جس کو قرب ہوتا ہے اتنا ہی عظمت کا اس پر ظہور ہوتا ہے اور اتنا ہی اپنے نفس کا تذلل کھل جاتا ہے (۳) پھر جس پر محبوب کے اعلیٰ درجہ کی عظمت اور اپنی ذلت کھل گئی ہو اس کی نسبت کیا آپ خیال کرسکتے ہیں کہ جہاں چاہے بے دھڑک قدم اُٹھا بیٹھے گا۔ بادشاہ کے دو بچے ہیں ایک ناسمجھ اور ایک سمجھدار ناسمجھ تو جب آتا ہے سیدھا گود میں جگہ لیتا ہے نہ آدابِ مجلس کی کچھ خبر نہ اراکین کا لحاظ نہ بادشاہ کا ادب نہ شاہی پوشاک کا خیال پیر صاف ہیں یا خاک آلودہ آئے اور زانو پر چڑھ بیٹھے۔

اور ہوشیار بچہ جب آتا ہے تو نیچی نگاہ کئے ہوئے چہرہ پر اراکین کا لحاظ ظاہر مجلس کا رعب چھایا ہوا اور نہایت ادب سے پاؤں پکڑ کر حاضری کی اجازت مانگ کر مؤدب کھڑا ہوتا ہے وجہ یہی ہے کہ سمجھدار کو عظمت شاہی کی خبر ہے اور ناسمجھ کو نہیں۔

اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ ناسمجھ بچہ بادشاہ کے نزدیک زیادہ مرتبہ رکھتا ہے کہ اس قدر قرب اس کو حاصل ہے کہ شاہی پوشاک (۴) پر میلے پیروں سے جا

(۱) یہ بات قابل تسلیم ہے کہ دعا قبول ہوتی ہے (۲) ایسا محو ہونا پسندیدہ نہیں (۳) اپنے نفس کا حقیر ہونا واضح ہوجاتا ہے (۴) بادشاہ کے لباس پر۔

چڑھتا ہے۔ اور جو الٹی سیدھے ضدیں کرتا ہے پوری کی جاتی ہیں انہیں قرب دری(۱) اس کو حاصل ہے اور قرب حقیقی سمجھدار کو اگرچہ سمجھدار گود میں نہیں ہے اور کسی قدر فصل (۲) سے کھڑا ہے۔

میلے پیروں سے کپڑوں پر جا چڑھنا اور الٹی سیدھی ضدیں کرنا گستاخی ہے باعثِ فضیلت نہیں زائد سے زائد یہ ہے کہ بچہ ان حرکات میں معذور سمجھا جاتا ہے۔

اسی طرح اہلِ حال کہہ اُٹھتے ہیں کہ نہ دوزخ نہ بہشت نہ اُس کا خوف ہے نہ اسکی خواہش ان دونوں میں سے کسی کی خبر ہی نہیں یہ کامل نہیں ہیں ان پر ابھی عظمت کا انکشاف (۳) پورا نہیں ہوا اس وجہ سے اتنی جرأت ہے کہ قرب کے اعلیٰ درجہ کا دعویٰ ہے۔

منتہی سالک کی طلبِ جنت

دیکھئے ایک نہایت ذلیل شخص کسی عالیشان محبوب کی طرف جانا چاہتا ہوتو اول تو برس چاہئیں اس کوشش کے لئے کہ کسی طرح راستہ کے موانع رفع ہوں (۴) دربان وچوبدار وغیرہ سے ساز ہوجائے (۵) تب توقع کی جائے کہ ان کی درخواست محبوب تک پہنچ سکے گی اگر اس میں کوشش ان کی چل گئی کہ درخواست محبوب تک پہنچ گئی اور پھر قسمت کی یاری سے محبوب نے بہت ہی لطف فرمایا کہ حاضری کی اجازت دے دی تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ دربار میں جاتے وقت ان کی بڑی سے بڑی آرزو کیا ہوگی یہ تو کبھی خیال بھی نہ جائے گا کہ مجھے محبوب بنالیں بڑا حوصلہ یہ ہوگا کہ چوکھٹ کو بوسے دینے کی اجازت مل جائے۔ اس کا یہ حوصلہ کرنا کیا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شخص محبوب کا طالب نہیں چوکھٹ کا طالب ہے' نہیں بلکہ اپنی

(۱) اس کے در کا قرب حاصل ہے کہ بالکل در پر پڑے ہیں (۲) سمجھدار اگرچہ فاصلہ پر کھڑا ہے (۳) عظمتِ الٰہی پورے طور پر کھلی نہیں (۴) کئی سال اس کوشش میں لگیں گے کہ راستہ کی رکاوٹ دور ہو (۵) سیکیورٹی گارڈ اور بادشاہ کے قریبی لوگوں سے دوستی ہوجانے۔

حالت کو دیکھ کر اس سے زیادہ کی ہمت نہیں کرتا حتی کہ اگر اس کی چوکھٹ سے بڑھانا چاہیں تو پیروں میں رعشا پڑ جائے گا۔ سو منتہی ''اسألك الجنة'' کہے گا نہ اس واسطے کہ جنت کا طالب ہے بلکہ طالب محبوبِ حقیقی ہی کا ہے مگر اس سے بڑھ کر حوصلہ اپنی ذلت اور ان کی عظمت کو دیکھ کر نہیں کرسکتا۔

فرق مبتدی و منتہی

معلوم ہوگیا ہوگا کہ طالب تین قسم کے ہیں مبتدی یعنی طالب جنت کے حظ کے لئے (۱) اور منتہی یعنی طالب جنت عظمت محبوب کی وجہ سے اور متوسط الحال مبتدی اور منتہی میں فرق مشکل ہے اور متوسط الحال کا حال ممتاز اور ظاہر ہوتا ہے حال سے مغلوب ہوا ہے گو ایسا مغلوب نہ ہو کہ حد شرع کی حفاظت نہ کرسکے کیونکہ ایسا شخص تو جیسا اوپر عرض کیا گیا بحث سے خارج ہے (۲) لیکن مغلوب ہونے سے صرف اسقدر مراد ہے کہ ذرا ذرا بات پر رونے لگتا ہے ذرا بات پر وجد آجاتا ہے زبان سے بے اختیارانہ کلمات نکلنے لگتے ہیں اس کو عوام کمال سمجھتے ہیں حالانکہ یہ کمال نہیں ہے کمال یہ ہے کہ حال پر غالب آجائے اور حال کوئی تغیر اس میں نہ پیدا کرسکے۔ ایسے شخص کے پہچاننے کے لئے بڑی بصیرت چاہیئے اس کی حالت بالکل مبتدی کی سی ہوتی ہے عام لوگ دونوں میں فرق نہیں کرسکتے منتہی کا پہچاننا آسان کام نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ متوسط اولیا کو تو لوگوں نے پہچان لیا اور اولیاء کاملین اور انبیاء علیہم السلام کو نہ پہچان سکے ﴿قَالُوْا مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ (۳) متوسط اولیاء میں تو جوش وخروش دیکھتے ہیں اور اولیائے کاملین اور انبیاء علیہم السلام کی حالت بالکل معمولی سی معلوم ہوتی ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

(۱) جو جنت کے طالب اس کی لذتوں کی وجہ سے ہیں (۲) ایسا شخص تو ہماری بحث ہی سے خارج ہے
(۳) ''اُن لوگوں نے کہا تم تو ہماری طرح معمولی آدمی ہو'' سورۂ یٰسٓ آ:۱۵۔

جملہ عالم زین سبب گمراہ شد کم کسے از سر حق آگاہ شد
گفتہ انیک مابشر ایشاں بشر ماؤ ایشاں بستۂ خوابیم و خور
ایں ندانستند ایشاں از عمیٰ درمیان فرقے بود بے منتہا
ایں خورد گرد و پلیدی زوجدا وان خورد گرد وہمہ نور خدا
کارِ پاکان راقیاس از خود مگیر گرچہ ماند در نوشتن شیروشیر (۱)

مگر ان کو اس کی ضرورت نہیں کہ پہچانے جائیں۔ صاحب کمال کو ایک عجیب استغنا ہوتا ہے۔ دنیا کا ذرا سا کمال کسی کو حاصل ہوتا ہے تو کسی کی طرف التفات نہیں کرتا یہ لوگ تو وہ کمال رکھتے ہیں کہ اسکی ماہیت (۲) بھی کسی کو معلوم نہیں ہے۔

قصداً اظہار تو کہاں ان کو تو غیرت آتی ہے کہ کسی پر اظہار ہو کیمیا گر کبھی اپنے آپ کو ظاہر کرنا نہیں چاہتے ٹھگ البتہ کمالات دکھاتے پھرا کرتے ہیں پھر دیکھ لیجئے کہ یہ کمالات شعبدے ہی ہوتے ہیں جس کے اندر کچھ ہے وہ ظاہر کرنا نہیں چاہتا اور جو دکھاتا پھرتا ہے اس میں کچھ ہے نہیں۔ ان لوگوں کو تو کبھی اپنے آپ سے بھی غیرت آجاتی ہے قلندر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم (۳)

---

(۱) سارا عالم اس وجہ سے گمراہ ہو رہا ہے کہ اسرارِ الٰہی کو بہت کم لوگ سمجھ سکے ہیں وہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم بھی انسان ہیں اور وہ (نبی) بھی انسان ہیں ہم اور وہ دونوں کھاتے بھی ہیں سوتے بھی ہیں۔ یہ اندھے لوگ اتنی بات نہیں سمجھتے کہ ان میں اور ہم میں بے انتہا فرق ہے یہ تو نجاست اور گرد و غبار کھا کر پرورش پاتے ہیں۔ اور وہ تو ہمہ وقت نور الٰہی سے مستفیض ہو کر پرورش پاتے ہیں نیک لوگوں کے حال کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو اس لئے کہ شَیر اور شِیر (دودھ) اگرچہ ایک طرح لکھے جاتے ہیں مگر دونوں میں بہت فرق ہے (۲) حقیقت (۳) میری آنکھ غیرت کی وجہ سے آپ کے چہرے کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتی اور میرے کان اس وجہ سے آپ کی بات سننے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔

یہ لوگ امتثال امر (۱) میں لگے ہوتے ہیں کوئی ان کو پہچانے یا نہ پہچانے کچھ پرواہ نہیں نیکی کر اور دریا میں ڈال۔ اپنی طرف سے کبھی اظہار کا تصور نہیں کرتے ہاں اللہ میاں کبھی ظاہر کردیتے ہیں۔

صاحب کمال کا حال

اُس وقت یاد رکھنے کی بات ہے کہ اخفاء بے ادبی ہے کیونکہ اطاعت تعمیلِ حکم اور رضا ہے جس طرح رکھیں بندہ کو اسی طرح رہنا چاہیئے۔ جب کہیں خاموش رہو خاموش ہوجائے اور جب کہیں کھل جا تو بلاتامل کھل جائے یہ کھل جانا بھی طاعت ہے اس وقت اخفا اتباع نفس ہے (۲) اس وقت اس کو اظہار میں وہی لذت ہوگی جو پہلے اخفا میں تھی غرض صاحب کمال اپنے قصد کو کبھی دخل نہیں دیتا نہ اخفا میں نہ اظہار میں بس فنا ہوتا ہے تعمیلِ حکم میں (۳) اور جو کوئی بالقصد اپنے آپ کو ظاہر کرتا پھرتا ہے وہ ابتک فنا ہی نہیں ہوا جب صاحبِ کمال سرتاپا محو ہوا امتثالِ امر میں (۴) تو اس کو اس طرف توجہ ہی نہیں ہوتی کہ میں ظاہر ہوں یا نہیں بلکہ معمولی سی حالت ہوتی ہے اگر طلب کا حکم نہ ہوتا تو طلب بھی نہ کرتا مگر حکم ہے اس لئے بغرض اس کی تعمیل کے طلب کرتا ہے۔ مبتدی طلب کرتا ہے اور منتہی بھی، طلب میں دونوں شریک ہیں اور کسی بات سے حالت ظاہر نہیں ہوتی پھر فرق کیا جائے تو کس طرح مولانا فرماتے ہیں ؂

---

(۱) یہ لوگ تو صرف آپ کے حکم کی بجا آوری میں لگے ہوئے ہیں (۲) اپنے حال کو چھپانا نفس کی پیروری ہے (۳) حکم کو پورا کرنے میں ڈوبا ہوتا ہے (۴) صاحب حال سر سے پیر تک احکام الٰہی کی بجا آوری میں مشغول ہوتا ہے۔

درنیابد حال پختہ ہیچ خام پس سخن کوتاہ باید والسلام (۱)

مبتدی اور منتہی میں فرق بڑا مشکل ہے۔

بالجملہ طالبوں کی تین قسمیں ہوئیں اور جنت مطلوب بہرحال ٹھہری اور اس کی طلب مامور بہ اور فرض ہے (۲) اب وہ مقدمہ بھی یاد ہوگا کہ ذریعہ کا اکتساب ضروری ہوا (۳) جنت جب ہر شخص کی مطلوب ہے تو اس کے ذرائع کی طلب بھی ہر ایک کے ذمہ ہے ورنہ وہی بوالہوسی ہوگی اس ذریعہ اور طریق کو فرماتے ہیں۔

طریق حصولِ جنت

﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى﴾ سبحان اللہ "كلام الملوك ملوك" (۴) جنت اتنی بڑی چیز ہے کہ اس کی طلب کا خلاصہ فرمادیا تاکہ طالبوں کو آسانی ہو اتنے بڑے مطلوب کے لئے جس قدر ذرائع اور طرق ہوتے کم تھے (۵) مگر حق سبحانہ تعالیٰ نے ایک ایسی بات بتادی جیسے گُر ہوتا ہے گُر اس لئے ہوا کرتا ہے کہ کثیر التعداد افراد کہ جن کو بالاستقلال ایک ایک کو یاد رکھنا دشوار ہو اس کے ذریعہ سے یاد رکھیں جیسے کوئی خادم کو محفل کے دروازہ پر بٹھادے اس غرض سے کہ غیر آدمیوں کو اندر نہ آنے دے تو اس کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ زید عمرو بکر خالد وغیرہ ایک سو نام اس کو بتادیئے جائیں کہ ان میں سے جو کوئی آئے منع کرنا اسمیں کسی قدر دقت خادم کو پیش آئیگی کہ ایک فہرست بنائے گا جس میں یہ سب نام درج ہوں اور ہر آنے والے سے نام پوچھ کر اوپر سے نیچے تک

---

(۱) کامل کے حال کو ناقص نہیں سمجھ سکتا اس لئے لمبی چوڑی بات کرنے کی ضرورت نہیں مختصر کلام کرکے بات ختم کرو (۲) جنت کے طلب کرنے کا حکم ہے اور اسکا طلب کرنا فرض ہے (۳) ذریعہ کو حاصل کرنا بھی ضروری ہے (۴) سبحان اللہ احکم الحاکمین کا کلام بھی شاہی کلام ہے (۵) جتنے بھی ذریعے اور طریقے ہوتے کم تھے۔

ساری فہرست دیکھنی پڑے گی نیز کس قدر دِقّت آنے والوں کو ہوگی کہ ہر شخص کو اتنی دیر ٹھہرنا پڑے گا کہ جب تک وہ تمام فہرست کو دیکھے۔ سہولت اس میں ہے کہ مختصر سی بات بتادی جاوے کہ جس کو تو پہچانتا ہو اس کو اندر آنے دینا اس سے نہ فہرست کی ضرورت رہے گی نہ کچھ اور دقت پیش آئے گی اسی کو گُر کہتے ہیں جنت کے حصول کے لئے بہت سے طریق ہیں جن کا فرداً فرداً یاد رکھنا نہایت دشوار تھا(۱) اس لئے حق سبحانہ تعالیٰ نے ایک ایسا امر بتادیا(۲) کہ جب اس کی رعایت رکھی جاوے تو جو فعل بھی کیا جائے گا وہ وہی ہوگا کہ اس کو کچھ نہ کچھ دخل ہے جنت میں اللہ میاں کے کلام کی قدر اُسی کو ہوتی ہے جو طالب ہے جب کسی کو جنت پیشِ نظر ہو تو انتہا درجہ کا شوق پیدا ہوگا اور جب بتایا جاوے کہ اس کے طلب کے فلاں فلاں طریق ہیں (اور چونکہ جنت بڑی چیز ہے اس کی طرق بھی کثیر ہی ہوں گے) ان کی کثرت کو دیکھ کر یہ شخص گھبرا اُٹھے گا۔

حصولِ جنت کا گُر اور اُس کا فائدہ

مگر چونکہ شوق انتہاء درجہ کا پیدا ہو چکا ہے اس لئے یہ تو ہوگا نہیں کہ چھوڑ بیٹھے بلکہ ایک حالت سخت اضطراب کی پیدا ہوگی اس شخص کے سامنے اگر کوئی قاعدہ کلیہ پڑھ دیا جائے جو جامع ہو تمام طرق (۳) کو تو ہر کوئی اندازہ کرسکتا ہے کہ اس کی کیا حالت ہوگی وجد کی سی کیفیت ہو جائیگی۔ اس کو قدر ہوگی کہ کلام باری تعالیٰ کیا چیز ہے۔ اُس گُر کو فرماتے ہیں ﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی﴾ اس میں دو کام فرماتے ہیں جو تمام طرق کو جامع (۴) ہیں ایک اپنے

(۱) مشکل (۲) کام (۳) جو تمام طریقوں کا احاطہ کرتا ہو (۴) دو کام بتائے جو تمام طریقوں کا احاطہ کرتے ہیں۔

مالک کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف دوسرا ﴿ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴾ الف لام عوض مضاف الیہ ہے (ای عن ھواھا) نفس کو اس کی خواہشوں سے روکنا یہ دونوں عمل جملہ طرق حصول جنت کو جامع ہیں (۱)۔ ہر چند کہ یہ دونوں عمل افراد بہت سے رکھتے ہیں اور تفصیل کرتے وقت افراد میں کچھ کمی نہ ہوگی مگر اس اختصار کی منفعت یہ ہے کہ جب یہ دونوں مضمون ذہن نشین ہوجائیں تو ہر فرد عمل میں اس کی رعایت رکھنے سے نیک و بد میں تمیز سہولت سے ہوجائے گی گُر میں یہی ہوا کرتا ہے کہ افراد کم نہیں ہوجاتے صرف طریق شناخت میں اختصار و سہولت ہوجاتی ہے۔ دیکھئے کتنی سہولت ہوگئی جب آدمی کے دل میں خوف ہوگا کہ مجھے ہر ہر عمل پر حق سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہوگا تو ہر کام کو تامل (۲) کے ساتھ کریگا اور خیال رکھے گا کہ یہ کام کہیں خلافِ مرضی باری تعالیٰ نہ ہو اس سے ایک بصیرت پیدا ہوجائے گی کہ بُرے عمل کو پہچان لے گا اور اس سے بچ جائے گا اور جو سمجھ میں نہ آویگا اس خوف کی وجہ سے اس کو علماء سے پوچھے گا اس طرح سے کوئی فردِ معصیت اس کی نظر سے نہ چھوٹ سکے گا ورنہ جنت جیسی بڑی چیز کے لئے کثرت سے ذرائع ہونے چاہئیں۔ ظاہر ہے ان کا ابتداءً ذہن میں منضبط (۳) کرنا امکان سے بھی باہر معلوم ہوتا ہے۔

افراط وتفریط

آپ نے جان لیا کہ طرق طلب جنت کا حاصل دو امر ہیں (۴) اب یا تو ایک دونوں میں سے اصل ہے دوسرا معین یا دونوں اصل ہیں مجھے یوں معلوم ہوتا

(۱) یہ دو عمل حصول جنت کے تمام طریقوں کا احاطہ کرتے ہیں (۲) ہر کام سوچ کر کریگا (۳) ذہن میں سب کو ترتیب سے محفوظ کرنا ممکن نہیں (۴) دو کام میں۔

ہے اپنے مذاق سے کہ اصل نھی النفس ہے (۱) اور خوف اس کے لئے معین (۲) ہے میں یہ اپنے دل سے نہیں کہتا ہوں بلکہ اس حدیث سے کہ ((نسـألك من خشيتك ماتحول به بيننا وبين معاصيك)) دعا مانگتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ ''اے اللہ ہم مانگتے ہیں خوف میں سے اس قدر کہ حائل ہو جاویں آپ اس سے ہم میں اور معصیت میں''۔ تعلیل سے یہ بات نکلتی ہے کہ خشیت معصیت سے بچنے کے لئے مطلوب ہے (۳) بالذات مقصود نہیں (۴) ورنہ ((نسـألك خشيتك)) (۵) مطلقاً فرماتے کسی چیز کی حد مقرر کرنے سے صاف یہی بات مفہوم ہوا کرتی ہے کہ اس سے زیادہ مطلوب نہیں خوف کی حد فرمادی کہ اسقدر چاہتے ہیں کہ معصیت سے مانع ہو (۶) معلوم ہوا کہ اگر خوف اس سے زیادہ ہو جائے تو محمود نہیں (۷)۔ خوف مع الرجاء (۸) یہی ہے اور اگر خوف ہی خوف ہو کہ رجاء (۹) نہ رہے اور ناامیدی تک نوبت پہنچ جائے تو یہ کفر ہے اس سے معصیت چھوٹتی نہیں بلکہ آدمی یہ سمجھ کر کہ طاعت سے کیا ہوگا زیادہ معصیت میں پڑ جاتا ہے۔

میں نے خود دیکھا ایک مغلوب کو تب معلوم ہوا کہ شریعت میں جو توسط (۱۰) ہے اُس میں یہ مصلحت ہے ایک وکیل صاحب تھے نماز روزہ کے خوب پابند تھے خوف غالب ہوا تو عجیب حالت ہوئی پریشان ہو گئے ایسی حالت تھی کہ زبان سے بات ٹھیک نہیں ادا ہوتی تھی۔ قریب تھا کہ نماز بھی چھوڑ دیں اور یہ سب کچھ ہوا تھا ایک کتاب کو دیکھ کر۔

---

(۱) نفس کو روکنا (۲) مددگار (۳) خوف کے مطلوب ہونے کی علت بیان کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ خوف گناہ سے بچنے کے لئے مطلوب ہے (۴) خوف اپنی ذات کے اعتبار سے مطلوب نہیں ہے (۵) ہم تجھ سے تیرے خوف کو طلب کرتے ہیں (۶) گناہ سے رکاوٹ بن جائے (۷) پسندیدہ نہیں (۸) خوف کے ساتھ امید اسی کو کہتے ہیں (۹) صرف خوف ہی ہو اور امید نہ رہے (۱۰) میانہ روی۔

رہنمائی کے بغیر مطالعہ کتب کا نقصان

کتابوں کو بطورِ خود دیکھنے میں یہ خرابی ہے۔ لوگ کہتے ہیں استادوں کے نخرے کون اُٹھائے عبارت اردو ہوتی ہی ہے اس کے سمجھنے میں کیا دقت ہے کیونکہ اُردو ہماری زبان مادری ہے۔ اگر یہی بات ہے تو ہر شخص جس فن کا چاہے بلا اُستاد پورا عالم بن سکتا ہے کتابیں ہر فن کی موجود ہیں حالانکہ مشاہدہ اور تجربہ اس کے خلاف ہے ''جائے استاد خالی است'' (۱) وجہ یہ ہے کہ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ کتاب میں ایک جگہ نہیں لکھی جاسکتیں ہر بات علیحدہ علیحدہ لکھی جاتی ہے ابواب وفصول اسی لئے مقرر کیے جاتے ہیں اور اگر ایک جگہ متفرق باتیں لکھ دی جائیں تو کتاب کی ترتیب میں فرق آجائے اور ڈھونڈنے والوں کو بڑی دقت پیش آئے کوئی خاص مضمون کہاں تلاش کریں مثلاً نماز روزہ زکوٰۃ کے مسائل کتب فقہ میں بلا تفصیل ابواب کیف ما اتفق جمع کر دیئے جائیں (۲) تو کس قدر دقت ہوجائے کہ ایک ذرا سے مسئلہ کے لئے ساری کتاب پر نظر ڈالنی پڑے جملہ فنون میں یہی حالت ہے کہ کتاب میں متفرق مضامین ایک جگہ نہیں لکھے جاسکتے تو بطورِ خود کتاب دیکھنے والے کو اگر کوئی شبہ واقع ہو تو اگرچہ حل اس کا کتاب میں کہیں مذکور ہو مگر چونکہ اس کو اطلاع نہیں ہے کہ وہ حل کہاں مذکور ہے اس لئے دل میں وہ اشکال جم جاتا ہے اور بسا اوقات یہ خیال ہوجاتا ہے کہ کتاب میں غلط لکھا ہے مصنف خود نہیں سمجھا حالانکہ کتاب میں غلطی نہیں ہے سمجھ کا قصور ہے جو شبہ ذہن میں آیا ہے وہ کسی دوسری بحث کے مناسب کتاب میں اس باب میں اس کا حل ہوگا اور پڑھانے والا تمام کتب پر حاوی ہوتا ہے متعلم کے شبہ کرنے سے یا از خود تنبیہاً ہر موقع پر اس کی ضروریات کو بتاتا جاتا ہے۔

(۱) استاد کی جگہ خالی ہے (۲) بغیر ابواب کی تفصیل کئے جو سامنے آئے لکھ دیا جائے۔

ضرورتِ استاد

میں کہتا ہوں سبقاً سبقاً پڑھنا چاہئے اور فنون کی کتابوں سے زیادہ تصوف میں خاص کر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بلا استاد کبھی مطالعہ نہ کرے۔ دیگر فنون میں تو یہ ہے بہت سے بہت بطور خود دیکھنے سے وہ فن نہ آئے گا اور تصوف میں خطرہ ہے کہ آدمی ہلاکت میں پڑ جائے اور ایمان جاتا رہے۔

گررَوی صد سال درراہ طلب راہبر نبود چہ حاصل زاں تعب
گر ہوائے ایں سفر دار دلا دامن رہبر بگیر وپس بر آ
درارادت باش صادق اے فرید تابیابی گنج عرفاں را کلید
بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق عمر بگذشت نشد آگاہِ عشق (۱)

ان وکیل صاحب نے ''احیاء العلوم'' کی کتاب الخوف کو دیکھا تھا اور ایک مقام کو ناتمام سمجھے اس سے ایسا خوف دل میں بیٹھا کہ بات نہ کر سکتے تھے اور نیند اُڑ گئی مگر یہ خیریت تھی کہ آپ ہی کوئی رائے قائم نہیں کی جیسا کہ آجکل عادت ہے کہ بزرگوں کے اقوال کتابوں میں دیکھ کر کسی واقف کار سے ان کے سمجھنے کی کوشش تو کرتے نہیں اپنی طبیعت سے جو چاہتے ہیں حکم لگادیتے ہیں حتیٰ کہ ان بزرگوں سے بدعقیدہ ہوجاتے ہیں اور واہی تباہی کلمات بکنے لگتے ہیں یا اس کی موافق غلط عقیدہ رکھ کر خراب ہوتے ہیں میرے پاس آئے کہ کچھ اُمید نہیں کچھ ہی کرے کہ جنت ملے گی تمام عمر کوشش کرے اور دنیا کو تلخ کردے مگر کتاب کا لکھا ہوا اگر سچ ہے تو خاتمہ ذرا میں بگڑ سکتا ہے جس وقت میرے پاس کتاب لے کر آئے تو یہ

(۱) اگر راہ طلب میں بغیر راہبر سو سال بھی چلتے رہو تو سوائے تھکاوٹ کچھ حاصل نہ ہوگا اگر اس سفر کی خواہش دل میں ہے تو کسی راہبر کا دامن تھام لو اور امید بر آئے گی راہ عشق (الٰہی) میں جو بھی بغیر راہبر (پیر) کے چلا عمر گذر گئی لیکن عشق الٰہی کی حقیقت سے واقف نہ ہوا۔

حالت تھی کہ ہاتھ کانپتے تھے زبان لڑکھڑاتی تھی کتاب کی عبارت نہ پڑھی جاتی تھی جیسے کسی کو پھانسی کا حکم سنا دیا جاوے اس وقت یہ بات سمجھ میں آئی کہ حد سے زائد غلبۂ خوف اچھی چیز نہیں میں نے اور مقام اسی کتاب کے دکھلائے بحمداللہ ان کے سب شبے حل ہوگئے اور قلب کو سکون ہوا کہنے لگے آپ نے مجھے بچا لیا جانے کیا ہوتا میری جان نہ رہتی یا ایمان جاتا، لکھا کتاب ہی میں سب کچھ ہے مگر دوسرے سے مدد لینے کی ضرورت ہے۔ لکھنے والوں نے حتی الامکان سہولت اس قدر کردی کہ اکثر جگہ شبہات بھی حل کردیئے ہیں لیکن پھر بھی استاد کی ضرورت باقی ہے۔

خوف ورجاء (۱)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اوقات کسی حقیقت کا زیادہ انکشاف بھی مضر (۲) ہوجاتا ہے جیسا ان وکیل صاحب پر استغناءِ حق زیادہ متجلی ہوا (۳) اور یہ حالت ہوگئی اسی واسطے بزرگانِ دین نے فرمایا ہے کہ جیسے تجلی رحمت ہے استتار بھی رحمت ہے (۴) واللہ اگر تجلی تام ہوجائے تو فنائے عالم ہوجائے (۵) یا جان جاتی رہے یا ایمان جاتا رہے میں نے خود دیکھا وکیل صاحب کو قریب تھا کہ نماز تک چھوڑ دیں وجہ کیا تھی صرف غلبۂ خوف۔ اس واسطے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ ((من خشیتك ما تحول به بيننا وبين معاصيك)) صرف اتنا خوف چاہتے ہیں کہ معصیت کو مانع ہو اتنا نہیں چاہتے کہ ہم متحمل نہ ہوں۔ معلوم ہوا کہ خوف محمود وہی

(۱) خوف وامید (۲) بعض وقت کسی چیز کی حقیقت سے زیادہ واقف ہونا بھی نقصان کا باعث ہوتا ہے (۳) اللہ کی بے نیازی زیادہ واضح ہوگئی (۴) کسی چیز کا ظاہر ہونا رحمت ہے ایسے ہی کسی کا ظاہر نہ ہونا بھی رحمت ہے جیسے کھانے پینے کی چیزوں میں جراثیم کا نظر نہ آنا رحمت ہے ورنہ کھانا پینا مشکل ہوجائے (۵) اگر اللہ کی تجلیات کا مکمل اظہار ہوجائے ساری دنیا تباہ ہوجائے۔

ہے جو معصیت سے روکے اور جو خوف خود باعث معصیت ہوجائے وہ معصیت (۱) کی طرح بُرا ہے اسی واسطے لکھا ہے کہ بڑھاپے میں امید غالب رکھے اور جوانی میں خوف' بوڑھے آدمی سے ویسے ہی کچھ نہیں ہوسکتا اگر اور خوف غالب ہوجائے گا تو رہے سہے بھی ہاتھ پیر پھول جائیں گے اور اُمید میں کچھ نہ کچھ کیئے ہی جائے گا اور جوانی میں قوت ہوتی ہے خوف کا تحمل ہوسکتا ہے جتنا خوف زیادہ ہوگا نفس کو تنبیہ ہوگی معصیت سے اجتناب (۲) ہوگا اور اعمالِ حسنہ کی کوشش کریگا۔ ہر وقت کے واسطے تدبیر جداگانہ ہے باطن طب بھی ظاہری طب کی طرح ہے کبھی دَوا سرد دیتے ہیں کبھی گرم (۳) کبھی تنقیہ کرنا پڑتا ہے کبھی تقویت (۴) اسی طرح باطنی امراض کی تدبیریں بھی مختلف ہیں۔

معلوم ہوگیا ہوگا کہ خوف معین ہے اور ترکِ خواہشات اصل' اب صاف ہے کہ ﴿خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ﴾ ذریعہ ہے اور مقصود ﴿نَهَى النَّفْسَ﴾ ہے۔ ذریعہ اسی حد تک محمود ہوتا ہے کہ مقصود تک پہنچائے اور اگر ذریعہ کو اس حد تک پہنچادیا جائے کہ مقصود فوت ہونے لگے تو یہ مذموم (۵) ہے کیونکہ ذریعہ ذریعہ نہ رہا خوف اسی قدر چاہیئے کہ نفس کو تنبیہ ہو۔

پس خلاصہ طریق کا ترک ہویٰ ہے اور خوف اس کا معین (۶) اور یہی حاصل ہے اس گُر کا۔ اب دیکھو کہ نوکر کو یہ بتادینا کہ ناشناسا کو اندر نہ آنے دینا کہنے میں ذرا سا ہے کرنے میں بہت ہے جو کام کہ فہرست بتانے سے نکلتا وہی اس سے نکلتا ہے بلکہ فہرست میں تو افراد محدود ہوجاتے اگر ان کے سوا کوئی ناشنا سا آنے والا ہوتا تو اس کو منع نہ کرسکتا اور اس لفظ کے بعد ایک کے منع سے بھی عہدہ برآ نہیں ہوسکتا اور

(۱) گناہ (۲) گناہ سے بچے گا (۳) کبھی ٹھنڈی دوا دیتے ہیں کبھی گرم (۴) کبھی دستوں کی دوا لے کر پیٹ صاف کیا جاتا ہے کبھی طاقت کی دوا دی جاتی ہے (۵) بُرا (۶) بس طریق کا خلاصہ نفسانی خواہش کو ترک کرنا ہے اور خوف اس کے لئے معاون ہے۔

کسی تعداد تک نا شناساؤں کی حد نہ رہی اسی طرح حق سبحانہ تعالیٰ نے گُر بتا دیا کہ اگر سوچے تو ولی ہو جائے ایک فرد بھی نافرمانی کا اس سے خارج نہیں۔

خدا کی نافرمانی کا سبب

دیکھیئے نافرمانی ہوتی کیوں ہے مثلاً نماز نہ پڑھی یا تاخیر کر کے پڑھی یا بے توجہی ہوئی حضورِ قلب کے ساتھ ادا نہ ہوئی اگر غور کیا جائے تو سبب اس کا ضرور ایسا نکلے گا کہ منجملہ افراد خواہش نفسانی کے ہوگا۔ فرض کیجئے کہ نماز نہ پڑھنے کا سبب یہ ہوا کہ نیند آ رہی تھی عشاء کا وقت ہوا مگر آرام میں خلل گوارا نہ ہوا سو کر صبح کر دی۔ آرام اور تن پروری خواہش نفسانی ہی ہے۔ تاخیر بھی اکثر جب ہی ہوتی ہے کہ آدمی دوسرے کسی کام میں لگا ہوا ہو، اُس کام کے ادھ بیچ میں رہ جانے سے نقصانِ مال کا اندیشہ ہوتا ہے (۱) اس نقصان کو گوارا نہ کیا اور نماز میں تاخیر کر دی یہ حُبِّ مال ہے کہ منجملہ خواہشاتِ نفسانی ہے۔ اسی طرح نماز میں بے توجہی بھی جبھی ہوگی کہ جب توجہ دوسری طرف ہو۔ توجہ کو ایک طرف نہ رہنے دینا بھی نفس ہی کا کام ہے اس کی خواہش سے ہوتا ہے۔

احتسابِ نفس

غرض کسی نے ترک طاعت کیا یا ارتکابِ معصیت تو صرف نفسانی خواہش سے اس کے اندر سبھی کچھ آ گیا (۲) ہر چیز میں خیال رکھے کہ نفس کی خواہش ہے یا نہیں۔ جب اس پر کوئی محافظت کرے گا تو ممکن نہیں کہ اس سے معصیت ہو سکے۔ (۳) تھوڑے دنوں عادت ڈالنے سے اس کا نفع معلوم ہو سکتا ہے ہر کام کو کرتے وقت سوچ لیا کیجئے کہ اس میں نفس کو لذت آتی ہے یا نہیں اگر لذت آتی

(۱) اس کام کو درباں میں چھوڑنے کی وجہ سے مال کا نقصان ہوتا ہے (۲) کسی نے نفسانی خواہش سے نیکی کو ترک کیا یا گناہ کا ارتکاب کیا (۳) جب کوئی اس کی حفاظت کرے گا اس سے گناہ ہونا ممکن نہیں۔

ہے تو سمجھ لیجئے کہ یہ ضرور ایک فرد معصیت (۱) کا ہے پھر اس لذت سے مغلوب نہ ہو جایئے اور اس کی مضرت (۲) کو پیشِ نظر رکھیئے اکثر گناہوں میں سب جانتے ہیں کہ مضرتیں ہیں مگر پھر خواہشِ نفسانی سے مغلوب ہو کر اس کو کرتے ہیں۔

مثلاً غیبت کرنے والا جانتا ہے کہ اگر اس شخص کو خبر پہنچ گئی تو مجھ سے لڑائی ضرور ہوگی اور بہت سے نقصان پہنچیں گے نفع تو کوئی بھی مرتب نہ ہوگا مگر پھر کرتا ہے اور کرنے سے طبیعت کو سکون ہوتا ہے جیسے کسی سے بدلہ لے لیا یہ خواہش نفسانی ہی ہے جس کے سامنے مضرت کا خوف بھی مغلوب ہو جاتا ہے ایسے بھی پرہیزگار ہیں کہ خود غیبت نہیں کرتے مگر سننے میں مزہ آتا ہے۔ بہت کیا تو جب کسی نے غیبت کی رفع الزام کے لئے کہہ دیا میاں جانے دو اور پھر رغبت کے ساتھ سن رہے ہیں دل میں سمجھ رہے ہیں کہ میں غیبت سے محفوظ ہوں بہت احتیاط کرتا ہوں دوسرے کو بھی منع کر دیتا ہوں (قانونی برتاؤ اللہ میاں سے) جناب اللہ میاں کو دل کی بھی خبر ہے۔

کار با او راست باید داشتن　　رایتِ اخلاص وصدق افراشتن (۳)

فقط زبانی باتوں سے کیا کام چلتا ہے اگر ان کے باپ کو کوئی گالیاں دینے لگے تو کیسے لڑنے لگیں گے ممانعت اس کو کہتے ہیں اس وقت یہ نہ ہوگا کہ ایک دفعہ اُسے منع کر دیں اور پھر بیٹھے سنتے رہیں حضرت اس منع سے براءت (۴) نہیں ہوتی غیبت میں یہ بھی شامل ہے دیکھئے کہ بعد ممانعت کے اگر وہ خاموش ہو جائے تو ان کے دل میں اشتیاق وانتظار رہتا ہے ظاہر بینوں کی نگاہ میں پرہیزگار بن جائیں مگر باطن میں تو مرض موجود ہے نفس نے جو خواہش کی تھی اس کا

(۱) گناہ کی ایک شاخ ہے (۲) نقصان (۳) تمہارے کام کو وہ خوب اچھی طرح جانتے ہیں تمہارے اخلاص سچائی نیت کو بھی خوب پہچانتے ہیں (۴) اس طرح روکنے سے آدمی بری الذمہ نہیں ہوجاتا۔

ظاہر تک اثر نہ آیا نہ سہی قلب میں تو اس سے التذاذ (۱) اور اس کی طرف میلان عزم کے ساتھ ہوموجود ہے یہی اتباع نفس ہے غرض سوچنے والا سمجھ سکتا ہے کہ معصیت کس حد تک ہوگی جہاں تک خواہشِ نفسانی پائی جائے یہ ایسا جامع لفظ ہے کوئی فرد معصیت کا باہر نہیں جاسکتا۔ (۲) جب کوئی معصیت ہوگی خواہشِ نفسانی سے اور برائی باوجودیکہ ظاہر ہے کہ مگر نفس کی چال میں بڑے بڑے ہوش مند آجاتے ہیں کوئی چیز رشوت میں مثلاً ملنے لگے تو نفس ضرور بتاتا ہے کہ فلاں فلاں کام تجھے کرنے ہیں ان کے لئے اتنے خرچ کی ضرورت ہے اور ساتھ ساتھ تاویل ذہن میں آتی ہے کہ یہ شخص خوشی سے دیتا ہے اور تجھے ضرورت ہے اس وقت لے لینا چاہئیے پھر اللہ میاں کریم ہیں یہ ضرورتیں بھی رفع ہوجائیں گی اور پھر توبہ سے گناہ بھی نہ رہے گا کیسی اچھی بات ہے۔

اسراف اور فیشن

حضرت یہ سب تدبیریں ہیں جن سے نفس جال میں پھانستا ہے اور اس تاویل کی ضرورت اس وقت ہوتی کہ جب بچہ کو خوف نہیں ہوتا ہے ورنہ تاویل کی بھی کیا ضرورت ہے اور اتنی دیر کب گوارا ہے گردن پکڑ کر حکم دو اگر رقم ہرگز جانے نہ پائے بس اس کی تعمیل ہوگئی ہاں جن کو محتاط پاتا ہے ان کے لئے خواہ مخواہ کی ضرورتیں کھڑی کردیتا ہے اور سمجھا دیتا ہے کہ ان کا پورا کرنا ہے حالانکہ یہ اسراف ہے مگر ضرورتیں ایسی تراش لیتے ہیں کہ اس کو اسراف بھی نہیں سمجھتے آج کل کے عقلمند اس مرض میں بہت مبتلا ہیں مجھے ایک شخص ملے اور خوشخبری سنائی کہ لڑکا نائب تحصیلدار ہوگیا میں نے کہا بڑی اچھی بات ہے اب ذرا صاحبزادہ کو یہ تنبیہ کیجئے

(۱) دل تو اس سے لذت حاصل کررہا ہے (۲) گناہ کی کوئی قسم اس سے باہر نہیں جاتی۔

کہ اسراف نہ کریں کہا جناب کچھ سامان تو کرنا ہی پڑتا ہے بڑے بڑے لوگوں کی آمدورفت ہے یہ کیسے ہوسکتا کہ چار بھلے مانس آ کر بیٹھیں اور میز کرسی لمپ وغیرہ گھٹیا رکھے ہوں یا مکان شاندار نہ ہو۔

یہ اسراف ہے جسے ضروری سمجھ رکھا ہے حالانکہ ضرورت دوقسم کی ہوتی ہے ایک واقعی اور ایک فرضی واقعی ضرورت کی تو انتہا (۱) ہوسکتی ہے اور فرضی ضرورت کی کہیں انتہا نہیں ظاہر ہے کہ فرضی میں بے حد گنجائش ہے فرض میں محالات تک بھی آسکتے ہیں جب فرضی ضرورت کی کوئی انتہا نہیں (۲) تو اس کے رفع کے لئے کون سی رقم کافی ہوسکتی ہے دنیا میں جو بھی رقم لی جائے گی متناہی ہوگی پھر متناہی لامتناہی کے برابر کیسے ہوسکتی ہے۔ اسراف معصیت تو ہے ہی اور وبالِ اخروی تو آخرت میں ہوگا مگر دنیا میں بھی اس کا نتیجہ دیکھ لیجئے کہ خاندان کے خاندان اس کی بدولت تباہ ہوگئے ایک شادی بھی جس نے کی اس میں فرضی ضرورتیں پوری کیں تو نقدی اور جائیداد اور مال ومتاع سب ان کے نذر کردیا اور پھر بھی پورا نہ ہوا قرض لے کر بمشکل آبرو بچائی پھر اس قرض سے بعد چندے آبرو بھی گئی ذرا ساختنہ ہے یا بسم اللہ ہے اور اس کے لئے ایک بڑی رقم کی ضرورت ہے وہ کہیں نہ کہیں سے آنی چاہئیے خواہ رشوت لے کر ہو' سودی قرض لے کر ہو یا گھر بیچ کر ایسا نہ ہو کوئی رسم رہ جائے یہ سب فرضی ضرورتیں ہیں بیوی کے کان میں پانچ سو سے کم کا زیور نہ ہو خواہ میاں کی اوقات دو پیسہ ہی کی کیوں نہ ہو کہیں سے پانچ سو لاؤ تب منہ دکھاؤ میز کرسی پوشاک حسبِ قاعدہ ہوں ایسا نہ ہو کہ کوئی بڑا آدمی انہیں چھوٹا کہہ دے حضرت بڑے آدمی کو یہ بھی تو معلوم ہوگا کہ میاں کی اوقات صرف پچاس ہی روپیہ کی ہے پھر بڑا کیسے کہہ دے گا۔ یہ ضرورت نہیں صرف فیشن ہے۔

لطف یہ ہے کہ علماء رسموں کو منع کرتے ہیں تو یہ لوگ ان کے شریک ہوجاتے ہیں اور بڑے شکرگزار ہوتے ہیں کہ صاحب یہ تو آپ بڑا کام کرتے ہیں

(۱) حد ہوسکتی ہے (۲) کوئی حد نہیں۔

کہ فضولیات کو چھوڑاتے ہیں کیا ضرورت ہے کہ اتنا سونا لادلیا جائے جس سے کان کٹ پڑیں یہ روپیہ کسی ایسے کام میں کیوں نہ لگایا جاوے جس سے راس المال (۱) محفوظ رہے اور چار پیسے اور ملنے لگیں تجارت کی جائے یا جائیداد خرید لی جائے شادی کی رسمیں مطلقاً چھوڑ دی جائیں اس روپیہ سے لڑکی کے لئے کوئی صورت بسر اوقات کی کیوں نہ کر دی جائے آتشبازی وغیرہ سے ذراسی دیر کا حظِ نفس (۲) نہ ہوا نہ سہی۔ غرض علماء کی تائید کرتے ہیں البتہ پرانے وضع کے لوگوں کو ضرور شاق ہوتا ہے' اور ان نئے فیشن کے لوگوں کو جب ترکِ دین آسان ہوا تو رسم دنیا کیا' یہ لوگ ساتھ دیتے ہیں اور بھولے سیدھے لوگ خوش ہوتے ہیں کہ یہ بھی علماء کے ہم خیال ہیں بُری بات سے منع کرتے ہیں۔

دوسروں کو نصیحت خود میاں فضیحت

چوری ان کی پکڑی گئی کہ رسموں سے بیوی کو روکتے ہیں اصلاح میز وکرسی کے لئے نہ اس واسطے کہ اسراف نہ ہو یا روپیہ کسی منفعت کے کام میں لگے بلکہ اس لئے کہ اُدھر سے روپیہ بچے تو اپنے فیشن کو درست کریں میز وکرسی سے کمرہ سجائیں ہارمونیم باجا منگائیں کوئی نیلام سے خالی نہیں جاتا۔ بیوی پر تو تقاضا ہے کہ کپڑا کم پہنو سال بھر کے لئے صرف دو جوڑے کافی ہیں گھر میں اپنے سب طرح بسر ہوسکتی ہے بہت کرو کہیں جانے کے لئے ایک اُجلا جوڑا بنالو زیور جو کچھ میکہ سے لائی ہو وہی کیا تھوڑا ہے' بہت ہوس اچھی نہیں ہوتی۔ سادگی کے بھی خلاف ہے ایک صاحب نے بیوی سے کہا ہم کماتے کماتے مرے جاتے ہیں اور تمہیں ذرا خیال نہیں' جتنا آتا ہے سب خرچ ہوجاتا ہے ایک پیسہ نہیں بچتا خرچ میں کمی نہیں کرتی' بیوی نے کہا میرے یہاں کوئی بازار کی چاٹ نہیں آتی کوئی چیز ضرورت سے زائد

(۱) اصل مال محفوظ رہے (۲) تھوڑی سی دیر کی دل کی خوشی ہے نہ ہوئی نہ سہی۔

میں نہیں منگاتی کسی کو ایک پیسہ بلا اجازت نہیں دیتی جو کچھ خرچ ہے تمہارا ہی ہے
میں کس چیز میں زیادہ خرچ کرتی ہوں اور کون سے خرچ میں کمی ہو سکتی ہے؟ کہا
نہیں تم نے خرچ بڑھا ہی رکھا ہے اگر ماما نہ رکھو (۱) تو اس کی تنخواہ اور خوراک بچے یا
نہیں ہم ایک چکی خرید دیں خود پیس لیا کرو اور روز کی پسنہاریوں (۲) کی دِقّت نہ
رہے اور پسائی کے دام بچیں (۳) اس میں تمہارا ایک اور بھی نفع ہے کہ تندرستی اچھی
رہے گی ریاضت (۴) کرنا آدمی کے لئے بہت ضروری اور مفید ہے گھر کی لیپ
پوت بھی خود کرلیا کرو (۵) ذرا ذرا سے کاموں کے لئے مزدور ڈھونڈنے پڑتے ہیں
ان سب ترکیبوں سے ایک کافی رقم بچ سکتی ہے تھوڑا ہی تھوڑا کر کے بہت ہو جاتا
ہے مگر جب تمہیں خیال ہو۔ غرض بیوی کو سب مدون میں تخفیف کی تدبیریں بتائی
جاتی ہیں وہی بیاری گلا گھونٹنے کے لئے ہے ہر طرح بسر کر سکتی ہے مگر تمہاری کسی مَد
میں ذرّہ بھر کمی نہ ہو کمرہ میں معمولی لمپ سے کام نہ چلے برقی لمپ ہونا ضروری اور
وہ بھی بقدر ضرورت نہیں بلکہ دس پانچ رکھے رہیں نازک چیز ہے شاید کوئی ٹوٹ
جائے تو دوسرا موجود رہے اور ان میں بھی آج نئی ایجاد ہو جائے تو پہلے خریدے
ہوئے سب ردّی ہیں اب نئے طرز کے خریدنے چاہییں وعلیٰ ہذا۔

بیوی کے لئے تو زیور بھی اسراف ہے اور آپ کے لئے کوئی چیز بھی اسراف
نہیں بیوی کا اسراف ایک طرح کا ہے پرانے فیشن کا اور میاں کا اسراف دوسری طرح
کا ہے نئے فیشن کا۔ دونوں کو چھوڑو ((ترکت الات والعزی جمیعا)) (۶) یہ سب
فضولیات ہیں جن کو نفس ضروری بتا کر طلب کرتا ہے ان کی تکمیل خواہش نفس کی تعمیل
ہے جس میں بڑے بڑے عقلمند گرفتار ہیں معلوم نہیں عقل کس طرح روا رکھتی ہے کہ اپنے
آپ کو دشمن کے ہاتھ میں دے دیا جاوے جس کی دشمنی دنیا میں بھی ظاہر ہو چکی

---

(۱) نوکرانی (۲) چکی پیسنے والی عورت (۳) پسوائی کے پیسے بچیں (۴) ورزش کرنا (۵) گھر کی لپائی (کچے گھر میں جو مٹی کی لپائی ہوتی ہے) وہ بھی خود کرا کرو (۶) میں نے لات اور عزیٰ سب کو چھوڑ دیا۔

اسراف کے نتائج آپ نے دیکھ ہی لئے مسلمان کا کام تو یہ تھا کہ ہر کام میں پوچھتا کہ حق تعالیٰ کا کیا حکم ہے بجائے اس کے ہر کام میں شیطان اور نفس سے پوچھا جاتا ہے کہ سرکار کا کیا حکم ہے اور جو اس نے کہہ دیا بے دھڑک کر ڈالا خواہ اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

خواہشِ نفسانی

مسلمانوں کیا جواب ہوگا اگر پوچھا جائے گا ﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾(۱)

پوچھیں گے اے نبی آدم کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمہارا دشمن ہے میری عبادت کرنا یہ سیدھا راستہ ہے اور دیکھ چکے تھے کہ بہتوں کو اس نے گمراہ کر دیا تھا کیا تمہیں عقل نہ تھی اب یہ جہنم موجود ہے۔ میں کہتا ہوں اگر صرف پوچھا ہی جائے اور دوزخ نہ بھی ہو تو یہ کیا تھوڑا ہے کہ کہا جائے کیوں صاحب ہمارا عہد یاد ہے، ہم سے تعلق قطع کر کے باوجودیکہ ہم ہر وقت مہربان تھے اس سے جوڑا جو ہر وقت دشمن تھا اس کا جواب کیا ہوسکتا ہے سوائے اس کے کہ خجالت (۲) اٹھانی پڑے دنیا میں تو قاعدہ مسلمہ ہے کہ بھلائی کا بدلہ بھلائی مگر اللہ میاں کے ساتھ معاملہ برعکس کیا جاتا ہے جس قدر اُس طرف سے احسانات زیادہ ہوتے ہیں اسی قدر اِس طرف سے کفرانِ نعمت ہوتا ہے(۳) جس

(۱) ''اے اولادِ آدم! کیا میں نے تم کو تاکید نہیں کر دی تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمہارا صریح دشمن ہے اور یہ کہ میری عبادت کرنا یہی سیدھا رستہ ہے اور وہ تم میں ایک کثیر مخلوق کو گمراہ کر چکا ہے سو کیا تم نہیں سمجھتے تھے یہ جہنم ہے جسکا تم سے وعدہ کیا جایا کرتا تھا'' سورۂ یٰس آیۃ: ۶۰ تا ۶۳ (۲) شرمندگی (۳) نعمتوں کی ناقدری ہوتی ہے۔

قدر اُدھر سے ساتھ دیا جاتا ہے اسی قدر اِدھر سے قطع کیا جاتا ہے اور بمقابلہ محسن کے دشمن کی پیروی ہوتی ہے دشمن نے جس چیز کا حکم کردیا اس کو کیا جاتا ہے کہ اس کی ضرورت ہے اور اللہ میاں نے جس کا حکم کیا وہ قدرت سے باہر ہے اور ترقی سے روکنے والا ہے۔

حضرت یہ چیزیں جن کو نفس ضروری ثابت کرتا ہے ان میں انہماک سے حق تعالیٰ سے بُعد بڑھتا ہے اور غفلت پیدا ہوتی ہے۔

عاقبت سازو ترا از دین بری   این تن آرائی وایں تن پروری (۱)
باہواؤ آرزو کم باش دُوست   چوں یضلك عن سبیل الله اوست (۲)
تاہوا تازہ است ایمان تازہ نیست   چوں ہوا جز قفل آں دروازہ نیست (۳)

دیکھو ایک جگہ کیا شکایت فرماتے ہیں ﴿ اَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ ﴾ (۴) ''اس شخص کو بھی دیکھا تم نے جس نے اپنا معبود خواہش نفسانی کو بنایا'' ہم کو چھوڑ کر اپنے دشمن کی اطاعت اختیار کی۔ تعجب ہے کہ اللہ میاں نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا احکام کی مصلحتیں بتائیں اور سمجھایا اور خاک نہ سنا اور نفس نے اندر سے ایک شرّہ چھوڑ دیا کہ افعل بکذا (۵) بس ایسی بیعت کی ہے کہ کوئی ضرورت نہیں دل کی اور کچھ حاجت نہیں مصلحت دریافت کرنے کی جو حکم ہو فوراً تعمیل۔ اللہ میاں کے احکام میں کبھی ہر ہر بات کی علت ڈھونڈھی جاتی ہے اور اس کی مصلحت پوچھی جاتی ہے حالانکہ شرائع میں علل اور مصالح ضرور ہیں مگر ہر شخص کی عقل نارسا کی رسائی (۶) تو

(۱) انجام کو سوچ تب تو بری الذمہ ہوسکتا ہے جسم کو پالنے اور اس کی زیب وزینت سے کام نہیں چلتا (۲) خواہشات نفس اور آرزوؤں کو کم کرلے دوست کیونکہ وہ تجھے اللہ کے راستہ سے بھٹکا دیں گے (۳) جب تک نفسانی خواہشات تازہ ہوں گی ایمان کی تازگی برقرار نہیں رہے گی کیونکہ خواہشات اس کے لئے بمنزلہ تالے کے ہیں دروازہ میں (۴) سورۂ فرقان: ۴۳ (۵) ایک شوشہ چھوڑ دیا کہ ایسا کرو (۶) ہر شخص ان علتوں کو سمجھ نہیں سکتا۔

وہاں تک نہیں پھر ہم کو علت نکالنے کی ضرورت ہی کیا ہے جب دلیل صحیح سے ثابت ہوگیا عمل کرلیا کبھی اس میں گنجائش نکالی جاتی ہے کہ کیوں صاحب اس کے خلاف کرنے میں کچھ اسلام سے تو خروج نہیں ہوتا بس جب اسلام سے خروج نہیں ہوتا اور نفس کا حکم خلاف پر ہے ہی جس کو ضرورت کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے پھر کیوں نہ کیا جائے' یہ حالت بھی ان لوگوں کی ہے جن کو اسلام کا کسی قدر پاس ہے اور دعوی ہے کہ ہم شریعت کے خلاف کوئی کام نہیں کرنا چاہتے۔ (خلاف شریعت شاید منحصر فردِ واحد ہے یعنی وہ عمل جس میں خروج عن السلام ہی لازم آجائے)۔

اور جو لوگ کہ پورے آزاد ہیں ان کو تو دلیل غیر دلیل سے بحث ہی نہیں ان کے نزدیک گویا خود احکام کا خلاصہ ہوائے نفس ہی ہے اللہ میاں کے احکام کوئی چیز ہی نہیں ۔ جو لوگ اسلام کا پاس رکھتے ہیں ان سے پوچھا جاتا ہے کہ کیوں صاحب جس قدر حجتیں اللہ میاں کے احکام میں ہوتی ہیں اگر نفس کے حکم میں ہوتیں تو کیا حرج تھا اتنی حجت تو کیا اگر نفس سے خواہش کے وقت صرف اتنا ہی پوچھ لیا کریں کہ اس میں کیا مصلحت ہے جس کی وجہ سے اختیار کیا جائے اور پھر مصلحت میں غور کرلیا کریں کہ واقعی ہے یا فرضی تب بھی تو بہت سی برائیوں سے حفاظت ہوجائے مگر کہاں' اس کے ہاتھ میں تو ایسی باگ دی ہے (۱) کہ جب وہ کہے چل چلنا پڑتا ہے اور جب کہے ٹھہر ٹھہرنا پڑتا ہے نفس اگر خندق میں گرائے تو خندق ہی میں گرنا پسند ہے اور اگر آسمان پر چڑھائے تو آسمان پر چڑھنا قبول ہے۔ اللہ میاں نے ایک حکم کیا کہ اس میں مصلحت تھی اس کو نہ کیا اور نفس نے ایک خواہش کی جس میں سراسر مضرت تھی اس کو کر ڈالا۔ ایک تاجر سے کوئی سو کا مال پچیس اوپر سو کر

(۱) اس کے ہاتھ میں تو لگام دے رکھی ہے۔

خریدتا تھا مگر نہ دیا اور دیا کہاں جہاں پچپیں اور کم ملے نہ معلوم اول خریدار سے اس کو اتنی منافرت کیوں ہے اس کو اتنا خیال کہ پچپیں زیادہ دیتا ہے گویا اپنا نقصان کرتا ہے کہ تجارت میں کچھ اس کے پلّہ پڑ رہے اور ان کو ایسی ضد کہ اپنا مال پھینکیں گے اور خسارہ ہی دیں گے مگر تمہاری مخالفت کو ہاتھ سے نہ جانے دیں گے افسوس۔

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے نقصانات

خواہشِ نفسانی وہ بُری چیز ہے کہ دنیا کی بھی خرابی اور دین کی بھی صدہا معصیتیں (۱) ہیں کہ ان میں دنیاوی نقصان ہیں معصیت میں دنیا کی بھی مضرتیں (۲) ہوتی ہیں ایک یہ کہ اللہ میاں ساتھ چھوڑ دیتے ہیں آدمی اسباب کو جمع کرتا ہے مگر وہ اسباب مودی الی السبب (۳) بہت کم ہوتے ہیں ہر کام میں پریشان رہتا ہے بعض آدمی ذرائع کم رکھتے ہیں۔ اور کام زیادہ نکلتا ہے اس کے برعکس اس کو ذرائع زیادہ رکھنے پڑتے ہیں اور کام اتنا بھی نہیں ہوتا اور ایک یہ کہ رزق میں تنگی ہوتی ہے آپ کہیں گے ہم پر تو تنگی نہیں میں کہتا ہوں رزق سے مقصود کیا ہے اطمینان یہ معصیت کے ساتھ حاصل نہیں ہوتا اطمینان فراغِ قلب کا نام ہے ناجائز طریق سے کتنا ہی مال حاصل کر لیجئے مگر جو نشاط اور بےفکری قلب کو تھوڑے حلال کے مال سے ہوتی ہے وہ ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی۔

اطمینانِ قلب کی حقیقت

یہ ایسی بات ہے کہ تجربہ ہی سے معلوم ہوسکتی ہے وجدانی سی بات ہے۔

پرسید یکے کہ عاشقی چیست گفتم کہ چو ماشوی بدانی (۴)

عنین محض (۵) کو کتنا ہی سمجھاؤ کہ عورت کی یہ لذّت ہوتی ہے مگر وہ ہرگز

---

(۱) نافرمانیاں (۲) نقصانات (۳) ان اسباب سے بہت کم اپنا مقصود حاصل ہوتا ہے (۴) کسی نے پوچھا عاشقی کیا ہے میں نے کہہ دیا جب مبتلا ہوگے پتہ لگ جائے گا (۵) نامرد۔

نہ سمجھے گا اور اُلٹا تمہیں کو بیوقوف بنائے گا اگر اس سمجھانے کی کوئی تدبیر ہے تو بس یہ کہ اس کا علاج کرو جب قوت رجلیت (۱) پیدا ہوجائیگی آپ ہی بیوقوفی اور عقلمندی کو سمجھ لے گا معصیت کو چھوڑ کر طاعت اختیار کرو دیکھو قلب میں کیا بات پیدا ہوتی ہے۔ آشکارا ہوجائے گا کہ اطمینان یہ چیز ہے اس پر دلیل فلسفی بھی ہے وہ یہ کہ معصیت کرنے والا غیر اللہ کا طالب ہے اور اس تک پہنچ جانا اور اس کو پالینا ضروری نہیں اور مطیع طالب ہے اللہ میاں کا اور وہ ہر وقت اس کے پاس ہیں ادھر سے ذرا سی کوشش چاہئیے ادھر سے خود کرم فرماتے ہیں غیر اللہ کی طلب پر چونکہ نتیجہ کا ترتب ضروری نہیں اس لئے کامیابی نہیں ہوتی اور دل کو فراغ حاصل نہیں ہوتا اور اللہ میاں کی طلب پر نتیجہ مترتب ہوجاتا ہے اس لئے قلب کو راحت ملتی ہے اسی کا نام اطمینان اور فراغ ہے طاعت وہ چیز ہے کہ اس کی لذت وہی جانتا ہے جو پاتا ہے۔

سالہا تو سنگ بودی دل خراش آزمودن را یک زمانے خاک باش

''ارے غافل! پتھر تو برسوں رہا ہے امتحان کے لئے ذرا دیر خاک ہوکر بھی دیکھ جو کبھی نام بھی لے پتھر ہونے کا خاک ہونا وہ چیز ہے کہ خاک ہوکر پتھر ہونا کسی نے قبول نہیں کیا اور پتھر بہتیرے خاک ہوگئے طاعت وہ چیز ہے کہ جب تک کسی نے کی نہیں جبھی تک وہ علیحدہ ہے جہاں تھوڑی سی بھی کی پھر طاعت خود اس کو نہیں چھوڑتی وہ چھوڑنا چاہتا ہے مگر یہ اوڑ اوڑ (۲) کر لپٹتی ہے کر کے دیکھو امتحاناً ہی سہی۔

(۱) مردانہ قوت پیدا ہوجائیگی (۲) اُلٹ اُلٹ۔

طاعت کے فائدے

میں کہتا ہوں امتحان کرنے سے تو اثر کیا بھولے سے بھی طاعت اگر ہوگئی تو اثر ضرور کرے گی۔ کپڑا بھولے سے رنگ میں گر جائے تو گو وہ بات نہ آئے گی کہ اگر کوئی قصداً رنگتا مگر دھبے تو ضرور پڑہی جائیں گے تجربہ ہوا ہے لوگوں کو کہ دھوکے سے طاعت ہوگئی اور اثر ہوگیا۔

قصہ مشہور ہے کہ ایک چور بادشاہ کی لڑکی پر عاشق تھا ایک روز کہیں چوری کے ارادہ سے بادشاہ کے یہاں پہنچ گیا وہاں بادشاہ اور بیگم میں اسی لڑکی کی شادی کی نسبت گفتگو تھی بادشاہ کہہ رہے تھے کہ میں تو اس کی شادی کسی ایسے شخص سے کرونگا کہ نہایت عابد و زاہد متقی ہو(۱)۔ یہ چور صاحب چوری تو بھول گئے اور بہت غنیمت سمجھا کہ آج خوب کام بنا وہاں آکر ایک مسجد میں جا بیٹھے اور دن رات عبادت کرنا شروع کی تہجد بھی اشراق بھی چاشت بھی غرض عبادت ہی سے کام تھا لوگوں میں شہرہ ہوا کہ ایک بڑے عابد صاحب تشریف لائے ہیں رفتہ رفتہ تمام شہر میں ان کی شہرت ہوگئی ادھر بادشاہ نے آدمی تعینات کر رکھے تھے کہ دیکھ شہر میں سب سے زیادہ عابد و پرہیز گار کون ہے، ان مخبروں نے خبر دی کہ ایک عابد صاحب فلاں مسجد میں قیام (۲) رکھتے ہیں ان سے زیادہ متقی و پرہیز گار کوئی نظر نہیں آتا بادشاہ نے خاص وزیر کو انکے پاس پیغام لے کر بھیجا اور یہاں کام ہو چکا تھا انہوں نے التفات بھی نہ کیا خیر وزیر نے نہایت ادب سے پیغام شاہی سنایا انہوں نے کہا دراصل نیت تو میری فاسد تھی اسی غرض سے عبادت شروع کی تھی مگر حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنا فضل کیا اب مجھے آپ کی بیٹی کی ضرورت ہے نہ آپ کے جاہ وحشم کی بس تشریف لے جایئے اور میرا وقت ضائع نہ کیجئے۔

(۱) جو کثرت سے عبادت کرنے والا، دنیا سے لاتعلق اور خلاف شرع کاموں سے پرہیز کرنے والا ہو (۲) فلاں مسجد میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔

طاعت ایسی ہی چیز ہے کہ بعض اوقات اس میں غرض صالح نہ بھی ہو(۱) مگر انجام کار اس سے ہی درست ہوجاتا ہے دیکھا جاتا ہے کہ بہت لوگ اغراضِ فاسدہ سے اسلام قبول کرتے ہیں لیکن آخر کو وہی اسلام ہوجاتا ہے ایسوں کے اسلام کو بھی حقیر نہ سمجھنا چاہیئے بعض لوگ غافل نادان کہتے ہیں کہ ان بھکاریوں کو مسلمان نہ کرنا چاہیئے ان لوگوں نے پیشہ کرلیا ہے۔

ان کے مسلمان کرنے کا نتیجہ ہی کیا ہے۔ سوائے اس کے کہ مسلمانوں سے روپیہ ٹھگتے پھریں کوئی کہتا ہے میرے ذمہ اتنا قرض تھا مسلمان لوگ مل کر ادا کردیں کوئی کہتا ہے مجھے روزہ نماز سیکھنے کے لئے فلاں فلاں کتاب کی ضرورت ہے مسلمان لے دیں اسمیں اسلام کی بدنامی ہے کہ مسلمان ایسے ہوتے ہیں' مجھ سے ایک صاحب یہی فرماتے تھے میں نے ان کو جواب دیا کہ اگر ایسی بدنامی کی وجہ سے اخراج عن الاسلام کریں تو آپ میں بھی ایسے عیوب ہیں جن سے اسلام بدنام ہوتا ہے ان کی وجہ سے آپ کو اسلام سے کیوں نہ نکال دیں۔ نیا مسلمان تو جنید بغدادی ہی ہو اور موروثی شیطان بھی ہو تو پرواہ نہیں۔

عبادت اور ریاء

میں تجربہ سے کہتا ہوں کہ بعض اوقات مسلمان کسی طمع (۱) سے ہوتا ہے مال کی طمع ہو یا اور کسی چیز کی مگر اسلام وہ چیز ہے کہ خود دل میں جگہ کرلیتا ہے ایک بزرگ کا قول ہے" تعلمت العلم لغیر اللّٰہ فابی العلم الا ان یکون اللّٰہ "میں نے علم سیکھا تو تھا غیر اللہ کے لئے مگر علم نے خود نہ مانا اللہ ہی کا ہوکر رہا' آگ جلاؤ اور یہ قصد نہ کرو کہ لکڑی جلے تھوڑی دیر میں لکڑی راکھ ہوجائے گی آگ میں یہ اثر

(۱) صحیح مقصد سے نہ بھی کیجائے (۲) کسی لالچ سے مسلمان ہوتا ہے۔

کہ لکڑی میں گھس جاتی ہے آپ کے قصد پر موقوف نہیں کسی بزرگ سے کسی نے کہا دیکھئے صاحب فلاں آدمی دکھلاوے کا ذکر کیا کرتا ہے' انہوں نے کہا تو دکھلاوے کا بھی نہیں کرتا وہ دکھلاوے کا کرتا ہے مگر کرتا تو ہے کبھی نہ کبھی ذکر اس کے دل میں جگہ کر ہی لے گا اور تجھ سے کیا امید ہے۔

ہمارے حضرت فرماتے تھے(۱) عبادت اول ریاء ہوتی ہے چند روز میں عادت ہو جاتی ہے پھر عبادت اور اخلاص۔ واقعی یہ بات بالکل صحیح ہے دیکھ لیجئے کہ بچپن میں آدمی نماز پڑھتا ہے اس وقت کیا حالت ہوتی ہے پھر سنِ شعور میں اور کیفیت ہوتی ہے اور بڑی عمر میں کچھ اور ہی بات پیدا ہو جاتی ہے بچپن میں استاد یا والدین کے خوف سے پڑھی جاتی ہے اگر کسی وقت ان کی نگرانی نہیں ہوتی تو ٹال بھی دی جاتی ہے یا بے وضو ہی اوڑا دیتے ہیں۔ یہ ریاء ہی ہے پھر پڑھتے پڑھتے سن شعور میں پہنچ کر طبیعت مانوس ہو جاتی ہے اور جیسا کہ اور امور ضروری کا تقاضا ہوتا ہے ایسا ہی نماز کا ہونے لگتا ہے تاوقتیکہ اَدا نہ کر لی جائے طبیعت پر بار رہتا ہے اگر نفس کبھی ٹالنا چاہتا ہے تو زائد سے زائد تاخیر کی نوبت آتی ہے یہ نہیں ہوتا کہ قضا کر دیں یہ مرتبہ عادت کا ہے اس کے بعد تو بحمد اللہ یہ کیفیت ہوتی ہے کہ بلا نماز چین ہی نہیں پڑتا یہ مرتبہ اخلاص کا ہے' غرض عبادت ابتداءً کسی کیفیت کے ساتھ ہو مگر کبھی نہ کبھی خود دل میں جگہ پکڑ لیتی ہے اس کا تجربہ مدرسہ میں رہ کر اچھی طرح ہوا بہت سے طلباء کو دیکھا کہ اول ان کی نیت اچھی نہیں ہوتی مگر فارغ ہوتے ہی مخلص بن جاتے ہیں بالکل حالت پلٹ جاتی ہے وجہ یہی ہے کہ اول اگرچہ نیت نہ تھی مگر شروع ایسی چیز کو کیا ہے کہ وہ خود ٹھیک کر لیتی ہے۔

---

(۲) حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ۔

ابتداء اور انتہا

یہی بات ہے کہ اس کو جو لوگ نہیں جانتے ہیں وہ طالب علموں کی ابتدائی حالت دیکھ کر طرح طرح کے اعتراض کیا کرتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ لوگ بالکل مہمل ہوتے ہیں دنیا سے تو نا آشنا ہیں سہی دین میں کیا کمال پیدا کیا میں کہتا ہوں ابھی ان کی حالت کیا دیکھتے ہو پڑھتے رہو انہیں میں مقتدا لوگ ہوں گے اور انہیں میں غزالیؒ وقت بھی ہوں گے۔

دینی طالب علموں سے مثل اولاد کے تعلق رکھو

طالب علموں سے اگر ذرا سا قصور ہو جاوے تو تمام شہر میں سنائی دیگا کہ اسلامی مدرسہ والوں نے یوں کیا کس قدر مغائرت اس لفظ سے ٹپکتی ہے آپ کو ان سے تعلق رکھنا چاہئیے یا قطع کرنا' یہ تمہارے دین کے حامل ہیں ان سے قطع کرنا کس سے قطع کرنا ہے آپ کو ان سے تعلق ہی رکھنا چاہئیے اگر آپ کا بچہ بازار میں کسی سے لڑ آئے اور یہ بھی آپ کو معلوم ہو جائے کہ سراسر زیادتی اسی کی تھی تو آپ اس کے ساتھ کیا برتاؤ کریں گے اگر لڑائی کے وقت آپ پہنچ جائیں گے تو لڑکے کی زیادتی اور عدم زیادتی کی طرف تو خیال بھی نہ ہوگا اس وقت تو اسی کی حفاظت کریں گے اور جس طرح ممکن ہوگا اس کی بات نیچی نہ ہونے دیں گے پھر اس غصہ کے فرو ہونے کے بعد علیحدگی میں بچہ کو فہمائش کریں گے کہ آئندہ ایسی زیادتی نہ کرنا (یہ بھی جب ہے کہ آپ بہت ہی حق پسند ہوں ورنہ باطل ہی کی پیروری ہوگی اور اس کو کچھ ملامت وغیرہ نہ ہوگی) اور اگر کوئی غیر آدمی پوچھے گا کہ میاں کیا بات تھی تو یا تو اپنے بچہ کی سی کہیں گے اور اگر بالکل ہی صریح خطا ہوگی تو کہہ دیں گے کچھ

نہیں بازار میں ایک آدمی سے کچھ جھگڑا ہو گیا تھا لڑکا تیز مزاج ہے دبتا کسی سے ہے نہیں بات بڑھ گئی اپنے بچہ کے عیب کو کیوں مشہور نہ کیا اس کا عیب عیب نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ اس سے آپ کو طبعی تعلق ہے اس کی بدنامی اپنی بدنامی ہے بچہ سے طبیعت کے حکم سے تعلق ہے طالب علم سے حق تعالیٰ کے حکم سے تعلق رکھا ہوتا اس کے قصور کو بھی اپنے بچہ کے قصور کی طرح دبایا ہوتا بچہ کی بدنامی میں اپنی بدنامی سمجھی تھی تو طالب علم کی بدنامی میں بھی اپنے دین کی بدنامی سمجھی ہوتی بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ اگر ان کے قصور نہ پکڑے جائیں تو ان کو تنبیہ کیونکر ہو؟ میں کہتا ہوں اپنی طبیعت سے ہی انصاف کرلو۔ جس طرح اپنے بچہ کو تنبیہ کرتے ہو اسی طرح طالب علم کو کرتے ہو یا نہیں فرض کرلو کہ تمہارا بچہ اس قدر شریر ہو کہ باوجود فہمائش کے بھی نہ مانے اور بدتر سے بدتر حرکتیں کرے جس سے خاندان بھر پر دھبہ آجائے ننگ وناموس کو بٹہ لگ جائے تب آپ اس کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے ہیں۔ کیا اس سے بالکل قطع کر دیتے ہیں قطع نہیں کرتے۔ اور اگر کوئی قطع بھی کر دے تو دل پر وہ صدمہ رہتا ہے کہ موت سے بدتر ہے باجود قطع کے تمام عمر یہی چاہتے ہیں کہ کاش یہ احمق اپنی حرکیں چھوڑ دے خود سمجھانے سے جب اثر نہیں ہوتا تو جن کا وہ لحاظ کرتا ہے ان سے فہمائش کرائی جاتی ہے۔ طالب علم کے کسی بڑے جرم پر تو کیا ایک چھوٹے سے قصور پر بھی میں پوچھتا ہوں کہ اسی طرح مشفقانہ تنبیہ ہوتی ہے یا اجتبیًا اگر اسی طرح مشفقانہ تنبیہ آپ کرتے ہیں تو الحمدللہ وھو المقصود اور اگر ایسا نہیں ہے تو میں پھر کہتا ہوں کہ ان سے آپ نے قطع کیوں کیا۔ کیا وہ آپ کے دین کے محافظ نہیں ہیں یا آپ کے ذمہ دین کی حفاظت نہیں ہے ان کے ایک کے قصور پر آپ سب کو بدنام کیوں کرتے ہیں کیا آپ کے سب بچے ایک ہی سے صالح ہوتے ہیں یا بچپن ہی سے آپ کے بچے تمیز دار ہوتے ہیں ان میں بھی اگر ایک کم

سمجھ ہے تو بڑے بڑے سمجھدار بھی تو ہیں آج اگر یہ کم استعداد ہیں تو کل امام وقت اور عزالیِ وقت بھی تو انہیں میں سے ہوں گے ابتدائی حالت دیکھ کران پر اعتراض مت کرو ہر طاعت کی ابتدائی حالت ایسی ہی ہوتی ہے۔ حاصل کلام یہ کہ طاعت ہونی چاہئیے خواہ کسی طرح ہو پھر طاعت آدمی کو خود دُرست کر لیتی ہے اور طاعت ایسی چیز ہے کہ اس میں دنیاوی اور دینی دونوں نفع ہیں رزق میں کشائش ہوتی ہے اگر چہ آدمی چنداں مالدار نہ ہو مگر طاعت کے ساتھ عجیب طرح کا اطمینان اور فراغ قلب میں ہوتا ہے اور برعکس اس کے معصیت سے رزق میں تنگی ہوتی ہے۔ اور اطمینان ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا اس کے علاوہ اور بھی مضرتیں (۱) ہیں جو معصیت پر متفرع ہیں۔

غرض فرمانبرداری سے ہمیشہ مسرت ہوتی اور معصیت سے مضرت اور یہ تو لازمی مضرتیں ہیں۔

متعدی مضرتیں

اکثر مضرتیں متعدی ہو جاتی ہیں جیسے غیبت کہ جب ایک آدمی کسی کی غیبت کریگا تو دوسرے کو خبر پہنچے ہی گی پھر وہ کیوں نہ کریگا بلکہ اس سے زیادہ کرے گا اس سے دونوں میں عداوت پیدا ہوگی پھر عداوت (۲) وہ چیز ہے کہ جب دو میں پڑ جاتی ہے تو دونوں کا نماز روزہ سب عداوت ہو جاتی ہے اُٹھنے میں بیٹھنے میں سونے میں ہر وقت یہی فکر رہتی ہے کہ کسی طرح دوسرے کو نقصان پہنچے نیت نماز کی باندھ رکھی ہے اور دل میں دوسرے کو نقصان پہنچانے کی تدبیریں سوچی جارہی ہیں۔ یہ کیا نماز ہوئی۔ شغل قلب ہوا اور کاہے سے حرام چیز (۳) ہے۔ منہ میں روزہ ہے اور

(۱) اور بھی نقصانات ہیں جو گناہوں پر مبنی ہیں (۲) دشمنی (۳) نماز کی نیت بندھی ہوئی ہے اور دل ایک حرام کام میں مشغول ہے۔

زبان دوسرے کی غیبت میں آلودہ ہے دل میں خوش ہیں کہ روزہ ہے یہ خبر نہیں کہ روزہ میں ان چیزوں کو تو چھوڑا جو فی نفسہ (۱) حلال تھیں یعنی کھانا پینا اور جو چیز ہمیشہ حرام ہے اس کو نہ چھوڑا تو کیا روزہ ہوا۔ غرض یہ عداوت اسی غیبت کی بدولت ہوئی اور عداوت وہ چیز ہے کہ قلب کو ایک ہی طرف کا کرلیتی ہے اور صرف ایک کام کا رہ جاتا ہے مضرت رسانی (۲) آپ جانتے ہیں کہ چھوٹا سا لفظ کس قدر شر کو جامع ہے تفصیل کی ضرورت نہیں ''اظھر من الشمس'' (۳) ہے یہ اتحاد کی ضد ہے جتنی چیز دین و دینی اتحاد میں ہے اتنا ہی شر بمقابلہ اس کے اس میں ہے یہ سب کس سے ہوا صرف ذرا سی غیبت سے۔ یہ معصیت کی متعدی مضرت کی مثال ہوئی یہ بھی خواہش نفسانی کا ایک فرد ہے۔

خواہش نفسانی کی ایک اور خرابی سنئے میرا اور آپ کا جائیداد پر مقدمہ ہے ہر شخص کی خواہش ہوئی کہ مجھ کو ہی پورا مل جاوے بس لڑائی ہوئی اگر دونوں یہ کہتے کہ ہمیں کچھ نہیں چاہئے تو طول کا ہے کو کھنچتا؟ مقدمہ بازی کی نوبت کیوں آتی اور باہمی نفاق اور عداوتیں کیوں پیدا ہوتیں چنانچہ حدیث شریف میں ایک قصہ ہے (امم سابقہ میں بھی بڑے بڑے اچھے لوگ ہوئے ہیں) ایک شخص نے دوسرے کے ہاتھ ایک مکان بیچا مشتری سے جب دخل لیا تو اس میں ایک گھڑا سونے کا بھرا ہوا پایا وہ گھڑا لے کر بائع کے پاس آیا کہ لو اپنا گھڑا لے لو تمہارے مکان میں سے نکلا ہے اس نے کہا میں تو مکان کی قیمت لے چکا میرا اسمیں کیا ہے اس نے کہا میں نے تو قیمت مکان کی دی ہے اس پر عقد ٹھہرا ہے یہ گھڑا عقد میں شامل نہیں میں کیسے لے لوں' ایمانداری اسے کہتے ہیں اگر آجکل گھڑا نکل آئے تو مزہ آجائے۔

---

(۱) اپنی ذات کے اعتبار سے حلال ہیں اس وقت صرف روزہ ہونے کی وجہ سے حرام ہیں (۲) دوسرے کو نقصان پہنچانا (۳) سورج سے بھی زیادہ واضح ہے۔

مصلحت وحکمت

کان پور میں دو آدمیوں نے کہیں سن لیا تھا کہ شبِ براءت میں جو کچھ دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے شب براءت کو دونوں ایک مٹی کا بڑا ڈھیلا لے کر بیٹھے اوراس پر ایک رومال ڈھانک دیا اور دعا مانگنی شروع کی کہ یا اللہ یہ مٹی سونا ہو جائے جب تمام رات جاگے اور اسی دعا میں رہے جوں جوں صبح قریب ہوتی تھی اشتیاق بڑھتا جاتا تھا کہ اب یہ سونے کا ہو جائے گا۔ بمشکل صبح پکڑی اور جلدی سے اس کو کھولا دیکھیں تو وہی مٹی ساری آرزوئیں خاک ہوگئیں۔ اور دل مرگیا کہ شب قدر بھی خالی گئی جس پر بڑا اعتماد تھا۔ طرح طرح کے شیطانی خیال دل میں آئے کہ دعا کو ویسے بھی سنا کرتے تھے کہ قبول ہوتی ہے اور آج تو شبِ قدر تھی۔ اسی تردد میں بیٹھے تھے خیریت ہوئی کہ بندہ خدا ایک درزی پہنچ گیا یہ کچھ اہلِ علم کی صحبت پائے ہوئے تھا اس نے پوچھا کیسے سست ہو انہوں نے سارا قصہ بیان کیا۔ کہا بھائی شکر کرو اسی میں کچھ حکمت ہوگی ایک ذرا بات تو مجھے معلوم ہوتی ہے کہ اللہ میاں تمہارے بدخواہ نہیں ہیں۔ تم نے تو یہ سمجھا کہ مٹی کے سونا بننے میں تمہارا نفع ہے مگر تھا نقصان، ابھی جب صبح تم نے ڈھیلے کو کھولا اگر وہ سونے کا نکلتا تو تم دونوں میں لڑائی تو ابھی ہوتی پھر جانے کہاں تک طول کھنچتا ممکن ہے کہ ڈھیلا کسی تیسرے کا ہو جاتا اور تم دونوں میں لڑائی مفت میں بندھ جاتی، آدمی سمجھدار تھا دونوں کی تسکین ہوگئی موہوم سونے کے لئے تو اتنی محنت کی کہیں سونے کا گھڑا نظر پڑ جائے تو کیا ہو؟ اس کو دیکھئے کہ گھڑا مالکِ مکان کو دینے آیا اور مالک کو دیکھئے

کہ لینے سے انکار ہے۔

ایثار و قربانی

وہ لوگ ایسے تھے صحابہ کا ایک قصہ کتاب میں آتا ہے کہ ایک غزوے میں بہت سے آدمی شہید ہوئے چند آدمی نزع کی حالت میں تھے موت کے وقت تشنگی(۱) کا غلبہ ہوتا ہے ایک شخص نے آواز دی کہ کوئی میرے حلق میں ذرا سا پانی ڈالدے تو بڑا کام کرے ایک بندۂ خدا کاسہ میں پانی لے کر پہنچے اور چاہتے تھے کہ ان کے منہ میں ڈالیں کہ اتنے میں ایک طرف سے اور آواز آئی کہ ذرا سا پانی کوئی پلاتا' انہوں نے پڑے پڑے کہا کہ پہلے انکو پلاؤ پھر مجھے پلانا یہ شخص پیالہ لے کر ان کے پاس پہنچے پلانا ہی چاہتے تھے کہ اسی طرح اور ایک آواز آئی غرض مقتل میں چھ سات جگہ اسی طرح پانی لئے پھرے اور سب یہی کہتے رہے کہ پہلے میرے بھائی کو پلاؤ۔ اخیر میں جن کے پاس پہنچے ان کو پلانے کی نوبت نہ آئی تھی کہ دمِ آخر ہو گیا یہ شخص واپس ہوئے اور پہلوں کے پاس پانی لائے جس کو دیکھا دم آخر ہو چکا ہے ایک نے بھی پانی نہ پیا اور پیالہ بھَرا ہوا لے کر چلے آئے۔ ایثار اس کو کہتے ہیں پانی وہ چیز ہے کہ سفرِ حج میں دیکھا ہے کہ باپ بیٹے کو پیاس میں چھوڑ دیتے ہیں موت کے وقت کی پیاس کا کیا حال ہوگا۔

---

(۱) پیاس کا غلبہ ہوتا ہے۔

غرض ہم میں جو بجائے ایثار کے کشاکشی اور نزاع وجدال ہے اس کی وجہ ہی اتباع ہونی (۱) ہے یہی باہم اتفاق نہیں ہونے دیتا آجکل سب نے یاد کرلیا ہے۔ اتفاق' اتفاق پر خبر نہیں کہ اتفاق کس سے ہوتا ہے اتفاق ہوتا ہے خواہشِ نفسانی کو روکنے سے دو شخصوں میں جب جھگڑا ہوگا کسی ایسی ہی چیز پر ہوگا کہ ہر ایک ان میں سے اس کی خواہش رکھتا ہوگا اگر وہ دونوں اپنی خواہش کو روک لیں اور اس چیز کی طلب چھوڑ دیں تو پھر جھگڑا کیسا اور نا اتفاقی کہاں' اتفاق اتفاق کہتے رہتے اور نفس کو روکتے نہیں تو اس سے کیا ہوتا ہے۔

حدود و قیود

غرض جُملہ شروں کی جڑ اگر ہے تو خواہشِ نفسانی ہی ہے خواہشِ نفس کو تو کیا انجام ہوتا ہے۔ اس نکتہ کو سب ہی نے سمجھا حتیٰ کہ حکام میں سے ان لوگوں نے جن کو مذہب سے علاقہ (۲) بھی نہیں۔ حاکم کیا کرتا ہے بعض افعال سے روکتا ہے اور بعض کی اجازت دیتا ہے جن افعال سے روکتا ہے وہ وہی تو ہیں جن کو لوگ کرنا چاہتے ہیں مگر اس کے نزدیک باعث مضرت ہیں۔ معلوم ہوا کہ دنیاوی مصلحتوں کا مقتضاء بھی یہی ہے کہ ہر شخص کو اپنی خواہش پورا کرنے کی اجازت نہ دی جائے اگر حاکم ان افعال سے نہ روکے تو دیکھئے کیا ہو ڈاکوؤں کو ڈاکہ ڈالنے دے چوروں کو چوری کرنے زیردستوں پر زبردستوں کو ظلم کرنے غرض ہر شخص کو مخلّٰی بالطبع کردے (۳) کہ اپنی خواہش کے موافق جو چاہو کرو تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس حالت میں کس لطف سے زندگی بسر ہوگی قانون کیا ہے ملک کے افعال کی ایک

(۱) ہم میں جو بجائے ایثار کھینچا تانی اور جھگڑے ہیں وہ خواہشات نفسانی کی پیروی کی وجہ سے ہیں (۲) کوئی تعلق ہی نہیں (۳) ہر شخص کو آزاد چھوڑ دے کہ اپنی طبیعت کے مطابق جو چاہے کرے تو فساد برپا ہو جائے۔

حد قائم کرنے والی چیز ہے یا کچھ اور جو کوئی حد سے گزرے اس کو جزا وسزا ہوتی ہے جب اس گزرنے میں کچھ برائی سمجھی گئی ہے تب ہی تو اس پر جزا وسزا ہے سب کو مخلےٰ بالطبع کیوں نہ چھوڑ دیا گیا فرض کیجئے کسی کو روپیہ کی ضرورت ہے یا ضرورت نہیں بھی ہے یوں ہی کسی سے چھیننے کو جی چاہتا ہے تو اس کو کیوں منع کرتے اور اگر چھین لے تو چالان کیوں ہوتا ہے وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ مجھے ضرورت ہے یا میرے جی کو کیوں مارتے ہو خواہش پوری کرنے دو معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اجازت دینے ہیں کوئی ایسی مضرت (۱) ہے کہ اس کے مقابلہ میں ضرورت کا خیال بھی نہیں کیا جاسکتا۔

دنیاوی انتظاموں کو بھی دیکھ کر یہ بات صاف نکلتی ہے کہ خواہش نفسانی روکنے ہی کی چیز ہے اگر خواہشِ نفسانی روکنے کی چیز نہیں ہے تو اپنے گھر میں بی بی کو کیوں روکتے ہو اسکو تو طرح طرح سے سمجھاتے ہو زیادہ زیور فضول ہے پوشاک میں زیادہ تکلف سے کیا فائدہ مگر اپنے نفس کو نہیں روکتے اگر آزادی ہی پسند ہے تو بی بی کو بھی آزادی دو جس طرح چاہے خرچ کرے اور اگر آزادی میں نقصان ہے تو جس طرح بی بی کو بے فائدہ کاموں سے روکتے ہو اپنے نفس کو بھی پابند کرو مگر دونوں کے آزاد ہونے کو تو کوئی پسند نہ کریگا تو لامحالہ دوسری ہی شق رہ گئی کہ دونوں پابند ہوں۔ پابندی وہ چیز ہے کہ کسی کو اس سے چارہ نہیں فرق اتنا ہے کہ جو عقلمند ہیں بالاختیار کرتے ہیں اور کم عقل جبراً وقہراً پابند بنائے جاتے ہیں آپ نفس کو بالکل آزاد کسی طرح نہیں کرسکتے اگر قانونِ خداوندی سے آزاد کردیا اور اللہ میاں نے دنیا میں کچھ نہ کہا تو دنیاوی قانون پابند بنانے کے لئے موجود ہے اور دست بدست سزا تیار ہے بہت سی خواہشیں ہیں کہ قانون کی وجہ سے چھوڑ دینی پڑتی ہے کیونکہ اُن پر عمل کرنے سے سزا ہوتی ہے۔

---

(۱) نقصان۔

قانون اور اطاعت

اے مسلمانون قانون کی وجہ سے تم نے خواہشِ نفسانی کو چھوڑ دیا اور اللہ رسول کے حکم سے نہیں چھوڑتے کیا غضب کی بات ہے' اگر قانوناً ممانعت ہو جائے تو ایک بھی حیلہ باقی نہ رہے اور اللہ میاں اگر کسی کام کی ممانعت کریں تو اسمیں حیلے نکالے جائیں اور ایسی ایسی تاویلیں کی جائیں کہ تاویل کے مرتبہ سے نکل کر تحریف تک پہنچ جائیں اور اگر بالکل ہی صریح حکم ہو تو اس کا مقابلہ ضرورت سے کیا جاتا ہے۔ کہ حکم تو یہی تھا مگر اب ضرورت ہے قانون کے مقابلہ میں یہ ضرورتیں کہاں چلی جاتی ہیں۔ افسوس محبت الٰہی مصلحتِ دنیوی کے برابر بھی نہ ہوئی۔

عشق مولیٰ کم از لیلیٰ بود کوئے گشتن بہر او اولیٰ بود(۱)

ایک مردار عورت اگر کہے کہ رات بھر کھڑے رہو تو کر گزریں گے اور اللہ میاں کے حکم سے عشاء کی نماز بھی بھاری ہے۔ ایک شخص کا قصہ ہے (یہ ایک بزرگ ہیں پہلے حالت ایسی ہی تھی بعدہ بڑے شخص ہوئے ہیں) ایک عورت سے عشق تھا بڑی تمناؤں کے بعد ایک دن کہیں شام کو بات کرنے کا موقع مل گیا اور صورت یہ تھی کہ کھڑکی کے نیچے بات کرنے کھڑے ہوئے تھے ایسے محو ہوئے کہ تمام رات اسی طرح گزر گئی عشاء کی نماز بھی فوت ہوئی جب مؤذن نے صبح کی

(۱) مولیٰ کا عشق لیلیٰ کے عشق سے کیسے کم ہو سکتا ہے اگر لیلیٰ کے عشق میں مبتلا ہو کر اس کے گلی کوچوں میں پھر سکتا ہے تو مولیٰ کا عشق اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کے گلی کوچوں یعنی مسجدوں میں پھرے اور عبادت میں مشغول رہے اور اسکا خیال دل پر چھایا رہے۔

اذان دی تو حضرت کیا کہتے ہیں بھلے مانس تجھے بھی آج ہی عشاء کی اذان سویرے کہنی رہ گئی تھی کسی نے کہا جناب خبر بھی ہے صبح ہوگئی' صبح کی اذان ہے منہ پھیر کر دیکھا تو واقعی صبح ہے۔ دل پر اثر ہوا بہت روئے ایک عورت کے خیال میں حق سبحانہٗ تعالیٰ کا فرض قضا ہوا ایک بزرگ ہاتھ پر توبہ کی اور اس خیال کو چھوڑا پھر صاحبِ کمال ہوئے اور سبھی کچھ ہوا۔

ایک عورت کی محبت میں یہ حالت ہوتی ہے۔غور کریں تو آج کل احکامِ الٰہی کی اتنی بھی تو قدر نہیں جتنی کہ ایک کسبی (۱) کے احکام کی۔ احکامِ الٰہی کیسے ہی سہل ہوں اور سراسر مفید اور حکمت ہی حکمت ہوں مگر شاق ہوتے ہیں۔ اگر کسبی انہیں احکام کو کہے جن کو اللہ میاں نے فرمایا تو کچھ تکلیف نہ رہے بلکہ اگر کبھی ان احکام کو بھی کہے جو اللہ میاں کے خلاف ہیں تب بھی کچھ شاق (۲) نہ ہوں معلوم ہوا کہ احکام فی نفسہٖ شاق نہیں صرف محبت کی کسر ہے مسلمان کی شان تو یہ تھی کہ اللہ میاں کے سامنے کالقلم فی ید الکاتب (۳) ہوتا اور غیر کے سامنے لوہے اور پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوتا۔ انصاف کی بات ہے کہ اللہ میاں کی طرف سے بندہ پر کس قدر انعام وافضال ہر وقت ہوتے ہیں اور غیر اللہ کی طرف سے خاک بھی نہیں ملتا پھر اپنے منعم کے سامنے نرم ہونا چاہیئے یا آپ جیسے عاجز بلکہ دشمن کے سامنے ظاہر ہے کہ منعم ہی کے سامنے ہونا چاہیئے۔

---

(۱) رنڈی (۲) گراں نہ گزرے (۳) جیسے قلم کاتب کے ہاتھ میں ہوتا ہے کاتب کی چاہت کے خلاف کچھ نہیں لکھ سکتا اسی طرح اس کو ہونا چاہئے کہ حکم الٰہی کے خلاف کچھ نہ کرے۔

چونکہ برمیخت بہ بندوبستہ باش　　چوں کشاید چابک و برجستہ باش (۱)
ہمچو کلکم درمیانِ اصبعین　　نیستم درصفت طاعت بین بین (۲)

مسلمان کو اللہ میاں کے سامنے ایسا ہونا چاہیے جیسے کاتب کی انگلیوں میں قلم کہ اس کو کچھ غدر نہیں کاتب کو اختیار ہے جس طرف چاہے چلائے اور چلائے یا نہ چلائے۔

عوامی بُت پرستی

کیا غضب ہے کہ اللہ میاں کے ہاتھ میں تو ایسے نہ ہوں اور ہوں کس کے ہاتھ میں نفس کے بُت پرستی کو منع کرتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ ہر شخص کی بغل میں بُت ہے ظاہری بُت پرست پر تو طرح طرح کے طعن کئے جاتے ہیں اور ان کو احمق بتایا جاتا ہے۔ اور اپنے آپ باطنی بُت پرستی میں مُبتلا ہیں اور عقلمندی کا دعویٰ ہے کسی نے ایک بت کو پوجا کسی نے دوسرے کو کیا فرق ہے لات کو پوجنے والے ہیں اور عزیٰ کو پوجنے والے ہیں جہاں ظاہری بُت پرستی چھوڑی ہے باطنی بھی چھوڑو اپنی باگ نفس کے ہاتھ میں مت دو حق تعالیٰ اپنے منعم حقیقی کے تصرف میں ہمہ تن اپنے آپ کو دے دو احکام الٰہی کے سامنے سر جھکا دو اتباع تو وہی ہے کہ آدمی اپنے ارادے کو چھوڑ دے اور دوسرے کے ارادے کے تابع ہو جائے۔ دیکھ لیجئے قانون کے سامنے کیا حال ہوتا ہے کہ اپنی خواہش چھوڑنی پڑتی ہے اور حاکم کے حکم کو ماننا پڑتا ہے۔

---

(۱) جب کھونٹے سے باندھ دیں تو بندھ جاؤ اور خاموش کھڑے رہو جب کھول دیں تو چست و چالاک بنو۔
(۲) اپنے شیخ کی اطاعت گذاری ایسے کرو جیسے تمہاری انگلیوں کے درمیان قلم تمہاری اطاعت کرتا ہے۔

عملی اور اعتقادی کوتاہی

اب لوگوں نے حق سبحانہ تعالیٰ کے حکم کا اتباع تو بالکل چھوڑ ہی دیا اوروں ہی کا اتباع اختیار کرلیا۔ اور اتباع کے لئے دو چیزیں تھیں عقائد اور اعمال' اعمال میں تو یہ گنجائش نکالی گئی ہے کہ ہم مجبور ہیں اور یہ احکام مصلحت وقت کے موافق نہیں مگر اب عقائد میں بھی خواہشِ نفسانی کو ترجیح ہونے لگی ہے۔ اعمال کو پہلے ضروری تو سمجھتے تھے مگر تکلیف سمجھ کر ان کے اَدا میں قصور کرتے تھے اب ان کی ضرورت ہی ذہن سے اڑ گئی۔ ادائے اعمال کو تو چھوڑا تکلیف کی وجہ سے مگر ان کے وجوب کے عقیدہ میں کیا تکلیف تھی ہاں اسمیں بھی ایک تکلیف تھی وہ یہ کہ نفس نے دیکھا اگرچہ میں نے ادائے اعمال سے روک دیا مگر تاوقتیکہ ان کے وجوب کا عقیدہ اس کے ذہن میں ہے ممکن ہے کہ پھر کبھی ادا پر مستعد ہوجائے اس وقت پھر مجھے کوئی تدبیر اس کے روکنے کی کرنے پڑے گی اور احتمال ہے کہ روکنے سے نہ رُکے اس لئے اس احتمال کے قطع کرنے اور اپنی بار بار کی تکلیف بچانے کے لئے نفس نے یہ تدبیر نکالی سرے سے ان کے وجوب کا عقیدہ ہی اڑا دینا چاہیئے۔ عقائد اعمال کے لئے بمنزلہ جڑ کے ہیں جڑ کاٹ دینے سے احتمال ہی نہیں رہتا کہ شاخیں پھر ہری ہوں گی عقائد کے بدلنے سے نفس بہت سی تکلیفوں سے بچ گیا۔

صفائی معاملات

ایک صاحب فرمانے لگے کہ دین میں جو کچھ حارج (۱) ہے وہ نماز ہے غیر مذہب کے بہت سے آدمی اس وقت اسلام میں آنے کو تیار ہیں مگر یہ خیال

(۱) رکاوٹ ہے۔

مانع (۱) ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد نماز پڑھنی ہوگی پانچ وقت کی پابندی سر پڑیگی مولوی لوگ نماز کی قید اُٹھادیں تو آج ہی دیکھئے کتنے کافر مسلمان بنتے ہیں اور مسلمانوں کی جماعت کتنی بڑھ جاتی ہے (نماز کیا مولویوں کی ہے کہ معاف کردیں)

ایک صاحب کہتے ہیں سود کی ممانعت سے افلاس آگیا اور قومیں سود ہی کے ذریعہ سے ترقی کرتی جاتی ہیں' غرض جو جس کی سمجھ میں آتا ہے احکام الٰہی میں اصلاح دینے کو تیار ہے گویا اللہ میاں کو یہ بات بتائی جاتی ہے کہ ہم سے رائے لے کر کیوں احکام مقرر نہ کئے تھے کثرت رائے پر کیوں فیصلہ نہ کیا۔

ہم لوگوں کا کیا حال ہے' عقائد میں یہ حال اعمال میں یہ حال صورت میں آزادی آمدنی میں حلال حرام کی خبر نہیں زمینداروں نے طرح طرح کے ناجائز ابواب باندھ رکھے ہیں۔ بیع وشرا میں عقد کے صحت و بطلان (۲) کی پرواہ نہیں آم کی بہار بکتی ہے (۳) حالانکہ آم کا وجود بھی نہیں ہوتا یہ بیع باطل ہے بیع باطل میں مال مشتری کی مِلک نہیں ہوتا اس کا ردواجب (۴) ہے یکے بعد دیگرے جہاں تک سلسلہ چلا جائے کسی کی ملک نہ ہوگا گناہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

طریقۂ تعلیم

غرض معاملات کی صفائی کی طرف اصلاً خیال نہیں۔ زبان غیبت میں اور طعن میں مبتلا۔ قلب حرص میں اور طمع میں گرفتار۔ اونٹ سے کسی نے پوچھا ''اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی'' کہا کوئی بھی نہیں ایسے ہی ہم لوگوں کی حالت

(۱) روکتا ہے (۲) خرید وفروخت میں معاملہ کے درست ہونے نہ ہونے کی پرواہ نہیں (۳) آم کا بور بیچ دیتے ہیں جبکہ اسکا بیچنا جائز نہیں (۴) جو چیز باطل طریقے پر خریدی جائے خریدار اس کا مالک نہیں ہوتا اس کو واپس کرنا واجب ہے۔

ہے ظاہر کی طرف دیکھئے وہ ٹھیک نہیں باطن کی طرف نظر کیجئے وہ درست نہیں حالانکہ حق تعالیٰ نے صرف احکام ہی نازل نہیں کئے بلکہ ایک اتنا بڑا نبی بھیج کر یہ بھی بتادیا کہ اس نمونے کے ہو کر آؤ۔ تعلیم کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ کسی شے کی پیمائش زبانی بتادی جائے اور کہہ دیا جائے کہ اتنی لابنی اتنی چوڑی اتنی موٹی بنا کر لاؤ۔ اور ایک طریقہ ہے کہ اس کا ناپ تول بتانے کے ساتھ بنا ہوا نمونہ بھی دکھا دیا جائے کہ آخری صورت ایسی پیدا ہونی چاہیئے یہ نہایت ابلغ ہے۔ خوشنویس لکھنے والوں کو بتاتا ہے کہ الف تین قط کا لکھو اور اوپر کی نوک ایسی ہو اور نیچے کی ایسی مگر یہ بتانا کافی نہیں۔ لکھنے والوں کو ہرگز الف بنانا نہیں آسکتا تاوقتیکہ استاد اس کی صورت بھی اپنے ہاتھ سے کھینچ نہ دکھاوے اگر ہاتھ سے لکھ کر دکھانے کی ضرورت نہ ہوتی تو استاد کے نخرے اُٹھانے کی کیا ضرورت رہتی، کتابوں میں سب حرفوں کی پیمائش لکھی ہے اسی کو پڑھ کر خوشنویس (۱) بن جاتے حالانکہ مشاہدہ اس کے خلاف ہے سو احکام تو ظاہر و باطن کی تحدید کا نام ہے جس سے ظاہر و باطن کی ایک خاص صورت پیدا ہوتی ہے جس طرح کہ تین قط سے الف کے طول کی حد قائم ہو اور نصف قط یا کم و بیش سے اس کے عرض کی انتہا مقرر ہو کر ایک خاص صورت پیدا ہو جاتی ہے ممکن تھا کہ اللہ میاں صرف احکام نازل فرمادیتے جو ظاہر و باطن کی ناپ تول ہیں اور یہ فرمادیتے ہیں ان کو پورا پورا درست کرو یہاں تک کہ وہ صورت پیدا ہو جائے جو ہماری مرضی کے موافق ہو اس وقت معلوم ہوتا کہ ہم لوگ کس قدر حرج میں پڑجاتے (۲) اور کیسی کیسی دقتیں پیش آتیں تمام عمر احکام کی پابندی کرتے اور پھر اطمینان نہ ہوتا کہ وہ صورت پیدا ہوگئی جو حق تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہے۔

مگر نہیں حق سبحانہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا احکام بھی نازل فرمائے اور محض

(۱) بہترین کاتب (۲) تنگی میں پڑجاتے۔

اپنی رحمت سے نمونہ بھی دکھا دیا کہ کچھ تردد نہ رہے کہ احکام کی پوری پوری تعمیل ہوگئی یا نہیں اپنی صورت کو نمونے سے ملا کر دیکھ لو ذرا سا بھی فرق ہو تو معلوم ہو جائے گا کسی حکم کی تعمیل میں کسر رہ گئی مگر اس رحمت کی کیا قدر ہوئی ہم کس قدر نمونہ کے موافق بن کر آئے اگر درزی کو اچکن سینے کو دو اور وہ ساری اچکن بہت ٹھیک اور خوبصورت بدن کے موافق سیئے کہیں جھول تک نہ رہے سلائی کہیں ٹیڑھی نہ ہو غرض سب طرح ٹھیک ہو صرف ایک آستین کو چار انگل چھوٹا کر لائے تو کیا آپ اس کو لے لیں گے اور کیا یہ بات اس کی سن لیں گے کہ جناب ساری اچکن تو ٹھیک ہے آستین بھی دو ہیں صرف ایک آستین چار انگل کم رہ گئی تو کیا ڈر ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ اس اچکن کو آپ اس کے سر ماریں گے اور اس نے قصداً ایسا کیا ہے تو قیمت واپس لینے پر بھی اکتفا نہ ہوگا کچھ جرمانہ بھی لیا جائے گا حالانکہ نمونہ سے صرف چار انگل مخالفت ہے۔ یہاں نمونہ سے چار انگل بھی مطابقت نہیں۔ اللہ میاں کا حکم تھا کہ نمونے کے مطابق ہو ﴿اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ﴾(۱) ((ما انا علیه واصحابی))(۲)

مخالفت برائے موافقت

افسوس مسلمانوں نے ہر بات میں رسول اللہ ﷺ کے خلاف کیا۔ جو وضع بتائی اس کے خلاف وضع تراشی نکاح نیا تراشا اخلاق نئے اختیار کیے اب عقائد میں بھی تراش خراش ہونے لگی اور پھر لطف یہ ہے کہ دعویٰ ہے اتباع کا معلوم نہیں کہ اتباع کس چیز کا نام ہے۔ اگر کوئی ایسے لوگوں کو دیکھے تو کیا کہہ سکتا ہے کہ یہ قوم

(۱) ''اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے'' سورۂ اٰل عمران: ۳۱ (۲) وہ طریقہ اختیار کرو جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

اس نبی ﷺ کے گروہ میں ہیں۔گروہ میں ہونے کے لئے کسی بات میں بھی مطابقت نہیں بلکہ جان جان کے مخالفت کی جاتی ہے اس گروہ میں ہوتا تو کہاں اب تو اس گروہ کے لوگوں سے ملنا بھی نہیں چاہیئے کیونکہ اس گروہ میں ترقی نہیں ہے ایک شخص نے مجھ سے لکھنو میں بیان کیا کہ آج کمیٹی ہوئی جس میں ان اسباب پر بحث کی گئی جو مسلمانوں کو ترقی سے روک رہے ہیں بہت سے اسباب بیان کئے گئے آخر میں یہ طے ہوا کہ مذہب مانع ہے ترقی سے اس کو چھوڑ دینا چاہئے۔ یہ نوبت پہنچ گئی ہے اس لامتناہی ترقی ہی نے خرابی ڈالی ہے جو کچھ ڈالی ہے کہیں اس ہوس کی انتہا بھی ہوگی حالانکہ یہ ترقی ہرگز اطاعت کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی کیوں کہ اطاعت میں کچھ نہ کچھ پابندی ضروری کرنی پڑے گی اور یہ ترقی مطلق العنانی کو چاہتی ہے یہ ترقی وہی حاصل کرسکتا ہے کہ نہ یہ دیکھے کہ روپیہ حق سے آیا نہ یہ دیکھے کہ ناحق سے آیا چونکہ وہ نڈر ہو ظلم سے اسے خوف نہ ہو روپیہ حاصل ہو جس طرح ہو حالانکہ قطع نظر خلاف دین ہونے سے ایسا مال دنیا ہی میں فلاح نہیں دیتا بلکہ جس راہ سے آیا تھا اسی راہ جاتا ہے اس میں برکت مطلق نہیں ہوتی رشوت کے ہزار اور حلال کے سو برابر نہیں جو غرض ہے وہ روپیہ سے وہ حاصل نہیں ہوتی جیسا کہ بیان کیا گیا تو اب سوچو اپنے اوپر ایسی چیزیں کیوں لازم کرلیں جن کے لئے کوئی تعداد روپیہ کی کافی نہیں ہوتی اور کسی مرتبہ ترقی پر بس نہیں کیا جاسکتا یہ چیزیں لازم کس نے کیں اسی ہوائے نفس نے حق سبحانہ تعالیٰ نے اسی کا علاج بتایا ہے۔

علاج ہوائے نفس

غرض سارا فساد خواہشِ نفسانی سے ہوا ہے سو علاج کیا ہے کہ نفس کو خواہش سے روکو مرض کا علاج یہی ہوتا ہے کہ اس کے مادہ اور سبب کو قطع کیا جائے

جب سبب جاتا رہے گا مرض بھی نہ رہے گا۔ مسلمانوں نفسانی خواہشوں کو چھوڑ و اور حق سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کرو کیا اللہ میاں کا کچھ حق نہیں ہے آپ لوگوں پر۔ دیکھئے اللہ میاں ایسے ایسے امراض کا علاج بتاتے ہیں جن کو تم اپنے آپ کسی طرح سمجھ نہ سکتے اور وہ اندر ہی اندر تمہارا کام تمام کر ڈالتے۔ تعجب ہے کہ طبِ اکبر کی قدر ہو مگر احکامِ الٰہی کی قدر نہ ہو جانتے ہیں کہ طب اکبر کے خلاف کریں گے تو صحت محفوظ نہ رہے گی اور مرض گھیر لے گا۔ صاحب طب اکبر پر عمل نہ کرنے سے صحت جسمانی میں خرابی آتی ہے اور احکام الٰہی پر عمل نہ کرنے سے قلبی اور روحانی صحت برباد ہو جاتی ہے پھر جو شرف قلب سے روح کو جسم پر ہے وہی اس کی صحت کو اس کی صحت پر اور اس کے محافظ کو اس کے محافظ پر ہونا چاہیئے اس سے سمجھ لیجئے کہ احکام الٰہی کی کیا عظمت ہونی چاہیئے اور اللہ میاں کا بتایا ہوا علاج کس قدر قابلِ قدر چیز ہے وہ علاج یہی ہوائے نفس کا چھوڑنا ہے اس کا آسان طریق میں بتائے دیتا ہوں چند روز کرنا پڑے گا بہت ہی تھوڑے دنوں میں ان شاء اللہ تعالیٰ نفع معلوم ہوگا۔

حاصل اس کا یہ ہے کہ ہر کام ابتداءً تکلیف سے ہوتا ہے پھر کرتے کرتے اس میں ملکۂ راسخہ (۱) پیدا ہو جاتا ہے سو آپ اس کا التزام کر لیجئے کہ قول کوئی فعل معاً (۲) دِل میں آتے ہی نہ کر ڈالا کیجئے کہ وہ خواہش نفس کے موافق ہوگا بلکہ ہر کام سے پہلے ذرا سوچنا چاہیئے اس کی عادت ڈالنی چاہیئے کہ جو کام کیا جائے پہلے سوچ لیا جائے کہ یہ کام حق تعالیٰ کے خلاف تو نہیں یہ میرے لئے مفید ہے یا مضر (۱) بے دھڑک ہو کر کام کرنے کی عادت بالکل چھوڑ دی جائے۔ اول اول یہ ذرا شاق ہوگا مگر تھوڑے دنوں میں یہ عادت ہو جائے گی۔ اس کا ہر کام میں خیال

(۱) عادت ہو جائیگی (۲) دل میں آتے ہی فوراً نہ کر لیا کیجئے (۱) نقصان دہ۔

رکھو یہ حالت ہو جائے کہ بات منہ سے نکالنی ہے مگر رک گئے کہ حق تعالیٰ کا امر (۱) کیا ہے اور نفس کی خواہش کیا ہے جس بات میں نفس کی خواہش پائی اس کو زبان سے نہ نکالا نہ اس پر عمل کیا۔ رہی یہ بات کہ تمیز کیوں کر ہو حق تعالیٰ کے امر اور نفس کی خواہش میں' اس کے لئے علم دین کی ضرورت ہے تھوڑا علم ضرور ہونا چاہئے' کتاب نہیں پڑھ سکتے ہو تو پوچھ لو' چند روز یہی عادت ڈالو اس سے کسی قدر آپ کے بولنے میں کمی ہوگی اور کسی قدر آپ کے کھانے میں کمی ہوگی مگر جس وقت لذت اس کی حاصل ہوگی تو آپ پھر تھوڑے کو بہت پر ترجیح دیں گے' تھوڑی چیز ہو اور اچھی ہو وہ بہتر ہے اس سے کہ بڑی ہو اور بہت ہو غلیظ کتنا ہی ہو ایک چمچہ فرنی پر اس کو ترجیح نہیں ہوسکتی۔ جب طاعت میں کسی کو لذت (۲) آنے لگتی ہے تو معصیت (۳) کی حقارت اس کے ذہن میں بیٹھ جاتی ہے پھر معصیت کا کرنا اس سے زیادہ دشوار ہونے لگتا ہے جتنا کہ پہلے طاعت کرنا تھا۔ مسلمان پر طاعت کرنے میں عادی ہونے سے پہلے بھی جو بار ہوتا ہے وہ ایک کلفت ہوتی ہے کہ نیا کام کرنے میں محسوس ہوتی ہے جیسا کہ دیگر امور عادیہ سمجھ کر تغیر ہونے سے معلوم ہونے لگا کرتی ہے ورنہ طاعت کو کر کے تو مسلمان کو ہمیشہ نشاط (۴) اور فرحت ہی ہوتی ہے عادی ہو جانے کے بعد تو معصیت سے نفرت ہو جاتی ہے اور اگر احیاناً معصیت (۵) ہو بھی گئی تو طبیعت سست رہتی ہے اور کسی طرح چین نہیں آتا۔ تاوقتیکہ استغفار نہ کرلے طاقت میں عجب لذت ہے کہ آدمی لاکھ روپیہ پر ایک نماز کو ترجیح دیتا ہے کوئی بات تو ہے کہ اگر مسلمان سے کہیں کہ لاکھ روپے لے لے اور آج ظہر کی نماز نہ پڑھ تو روپیہ نہ لے گا اور ظہر پڑھے گا ضرور کوئی ایسی چیز پاتا ہے کہ لاکھ روپیہ سے زیادہ ہے

---

(۱) اللہ کا حکم کیا ہے (۲) مزہ آنے لگتا ہے (۳) نافرمانی (۴) خوشی و مسرت (۵) کبھی گناہ ہو بھی جائے۔

حالانکہ ہماری نماز کچھ نماز نہیں اول سے آخیر تک کوئی رکن بھی قابل اعتبار نہیں نیت نماز کی باندھ رکھی ہے اور دل اِدھر اُدھر ہے زبان سے قراءت کر رہے ہیں مگر مطلق خبر نہیں کہ اللہ میاں سے کیا کہہ رہے ہیں خیریت یہ ہے کہ زبان الفاظ پر حاوی ہوگئی آپ ہی آپ قراءت کرلیتی ہے ورنہ باعتبار احکام ظاہری بھی عدمِ صحت کا فتویٰ دیا جاتا اور اعادہ واجب ہوتا سرسجدہ میں ہے مگر خیال اور ہی کہیں ہے اس حالت پر بھی آدمی لاکھ روپیہ سے زیادہ کوئی چیز اس میں پاتا ہے کہ لاکھ روپیہ پر اس کو ترجیح دیتا ہے اور نماز نماز ہوجائے تو اندازہ کرلیجئے کہ کیا اثر رکھے۔

جرعہ خاک آمیز چوں مجنون کند   صاف گر باشد ندانم چوں کند(۱)

واقعی طاعت وہ چیز ہے اگر اس میں ایک لحظہ کا لطف بھی میسر ہوجائے تو آدمی دنیا و مافیہا(۲) کی طرف بھی آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھے خواہشِ نفسانی کا تو دشمن ہی ہوجائے نفس کے پھندے میں آدمی جب ہی تک آجاتا ہے جب تک کہ اطاعت کی لذت سے واقف نہیں ہوا۔ عادت ڈالئے پھر لذت آنے لگے گی اور کچھ کلفت نہ رہے گی ابتدا میں کسی قدر کلفت(۳) ضرور ہوتی ہے۔

غرض یہ عادت ڈالنی چاہئیے کہ ہر کام کو سوچ کر کرے اگر وہ کام خواہشِ نفس سے ہو تو نہ کیا اس طرح معصیت چھوٹ جائے گی اور طاعت ہی طاعت رہ جائے گی اور یہ پہلے معلوم ہوچکا ہے کہ ترک ہوائے نفس کے لئے ہے خوف اور یہ ظاہر یہی ہے کہ کام سے بھی کوئی باز رہتا ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو صرف خوف

(۱) گدلی شراب کے ایک گھونٹ نے یہ حال کردیا ہے اگر کہیں صاحب شراب مل جاتا تو نہ معلوم کیا حال ہوتا
(۲) دنیا اور اس میں موجود چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے (۳) پریشانی۔

سے باز رہتا ہے جسمانی سزا کا خوف ہوا مال کے نقصان کا یا ہمچشموں میں سبکی (۱) کا یا جس چیز کا بھی ہو مگر ہوگا خوف ہی ڈاکو ڈاکہ کیوں نہیں ڈالتا سزا کے خوف سے بچہ شرارت سے کیسے رُکتا ہے پٹنے کی خوف سے بہت سے جرائم سے لوگ باز رہتے ہیں جرمانہ کے خوف سے محفل میں آدمی تہذیب سے کیوں بیٹھتا ہے اور خلافِ متانت حرکات سے کیوں باز رہتا ہے سب کے خوف سے وعلی ہذا۔ خوف ہی تو اُٹھ جاتا ہے جو ملک میں امن قائم نہیں رہتا اور غدر (۲) ہو جاتا ہے خوف ہی ہے کہ جملہ برائیوں کی جڑ کاٹنے والا ہے خوف ہی ہے کہ جملہ طاعات کا ذریعہ ہے۔ البتہ یہ بات سمجھنے کی ہے کہ خوف تو ہر مومن کو ہے۔ پھر کیا وجہ کہ ہوائے نفسانی نہیں چھوٹتی وجہ اس کی یہ ہے کہ خوف کا استحضار (۳) نہیں اور استحضار نہ ہونے کی وجہ صرف ایک ہے عذاب کا نہ سوچنا پس منتہائے معالجہ (۴) یہ سوچنا ہوا اس سے خوف کا غلبہ واستحضار ہوگا۔ جو ترک ہویٰ کے لئے کافی ہو جاوے گی۔

محاسبۂ نفس مراقبہ

اب صرف اس کا طریقہ سہل (۵) بتائے دیتا ہوں کہ سوچنا شروع کیجئے اور اس کے لئے ایک وقت مقرر کیجئے مثلاً سونے کا وقت اس وقت آپ کے کسی دنیا کے کام میں بھی حرج نہ ہوگا۔ دنیا کے لئے تو سارا وقت دیا ہے اللہ میاں کے لئے نکما ہی وقت دو۔ اتنا تو کرو اللہ میاں اس میں تمہارا کام بنادیں گے وہاں تو بہانہ ڈھونڈتے ہیں کہ بندہ ذرا ادھر کو منہ کرے اور رحمت کے انبار اس پر بکھیر دیں پندرہ بیس منٹ دیر میں سوئے لیٹ کر یا بیٹھ کر یاد کیا کیجئے کہ آج کیا کیا گناہ کئے فہرستِ

(۱) ہم عصروں میں رسوائی کا (۲) فساد و بغاوت ہوتی ہے (۳) خوف پیش نظر نہیں (۴) پس علاج کا خلاصہ یہ ہے کہ گناہ پر ہونے والے عذاب کو سوچا کرے جس سے خوف پیدا ہو کر نفسانی خواہشات پر عمل پیدا ہونے سے محفوظ رہے گا (۵) آسان طریقہ۔

گناہ تیار کیجئے پھر دل میں خیال جمائیے گویا میدانِ قیامت موجود ہے اور میزان (۱) کھڑی ہے اپنا مددگار کوئی بھی نہیں دشمن بہتیرے ہیں حیلہ کوئی چل نہیں سکتا زمین گرم تانبے کی طرح کھول رہی ہے آفتاب سر پر دوزخ سامنے ہے اور ان گناہوں کا حساب ہو رہا ہے کوئی جواب معقول بن نہیں (۲) پڑتا۔ یہ سب حالات پیشِ نظر ہوں گے تو بے اختیار ہاتھ جوڑ کر حاکم کے روبرو معذرت کریگا کہ بیشک خطا وار ہوں کہیں ٹھکانا نہیں اگر کچھ سہارا ہے تو صرف حضور کے رحم کا اسی کو استغفار کہتے ہیں۔ رات کو یہ کیجئے، پھر صبح اُٹھ کر یاد رکھیئے گا کہ کل فلاں فلاں گناہ کئے تھے اور رات ان سے استغفار اور عہد کیا ہے سو وہ گناہ نہ ہونے پائیں۔ اس سے اگر اسی دن تمام گناہ یک لخت نہ چھوٹ جائیں گے تو کمی تو ہو ہی جائے گی اور چند روز میں تو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ گناہ رہ سکیں یہ ایسی تدبیر ہے کہ چند ہی روز کرنے سے آدمی معاصی (۳) سے بالکل محفوظ ہو جاتا ہے اور دل میں گناہ کے وقت خود ایک ہراس (۴) پیدا ہو جاتا ہے پھر اس کے لئے علم کی ضرورت ہوگی کہ معلوم ہو یہ کام معصیت ہے اور یہ طاعت (۵) سو علم دین حاصل کیجئے اور اگر کم فرصتی کا عذر ہے تو چند کتابیں اردو میں منتخب کردی گئی ہیں ان کو کسی سمجھدار سے سبقاً سبقاً پڑھ لیجئے رفع ضرورت کے لئے کافی ہیں کتابوں کو خود نہ پڑھیئے کہ اس سے طبیعت میں پہلے سے جو اشکال ہوتے ہیں وہ حل نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات نئے اِشکال پیدا ہو جاتے ہیں اور باعثِ مضرت (۶) ہوتے ہیں۔

(۱) وزن اعمال کے لئے ترازو رکھی گئی ہے (۲) معقول جواب سمجھ میں نہیں آتا (۳) گناہوں سے (۴) خوف (۵) اور یہ کام ثواب کا ہے اور یہ گناہ کا ہے (۶) نقصان کا سبب۔

خلاصۂ وعظ

حاصل سارے وعظ کا یہ ہوا کہ جنت مطلوب ہے اور اس کا ذریعہ ہے ترکِ ہویٰ (۱) اور اس کا معین (۲) ہے خوف اور اسکا طریق ہے مراقبہ جب مراقبہ کیا خوف پیدا ہوا اس سے خواہشِ نفسانی چھوٹ گئی اس پر نتیجہ مرتب ہوا ﴿ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴾

اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ فہم اور توفیق عمل کی عطا فرمادیں۔ (۳)

---

(۱) نفسانی خواہشات کو ترک کرنا ہے (۲) مددگار (۳) اللہ اس وعظ سے مستفید ہونے والے تمام افراد اور محشی اور اس کی اولاد کو بھی جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۲۹ ذیقعد ۱۴۳۰ھ

نظم قائم کیجئے اوقات میں
برکتیں پھر دیکھئے دن رات میں

مغتنم ہے دولت عمر عزیز
کیجئے ضائع نہ لغویات میں

حضرت مولانا مشرف علی تھانوی عارف دامت برکاتہم
شیخ الحدیث و مہتمم جامعہ دار العلوم الاسلامیہ لاہور

وابستہ ہوچکا ہے میرا دل حرم کے ساتھ
یارب بنادے اب میری منزل حرم کے ساتھ
یکتائے روزگار ہے عارفؔ وہ مرد حق
ہوجائے جس کو نسبت کامل حرم کے ساتھ

حضرت مولانا مشرف علی تھانوی عارف دامت برکاتہم
شیخ الحدیث و مہتمم جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور